عالمی شہرت یافتہ کتاب

احقاق الحق

مصنّف

شہیدِ ثالث

حضرت آیت اللہ قاضی نور اللہ شوستری

رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

شاہد برادرز

لاہور پاکستان

عالمی شہرت یافتہ کتاب

احقاق الحق

مصنّف

شہید ثالث

حضرت آیت اللہ قاضی نور اللہ شوستریؒ

ناشر

شاہد برادرز لاہور پاکستان

باسمہ سبحانہ دیباچہ کتاب

حقائق الاحقاق ترجمہ احقاق الحق

جناب شہید ثالث قاضی سید نور اللہ شوستری علیہ الرحمۃ

شہید ثالث

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی احسانہ افضالہ وصلی اللہ علی سیدنا ابی القاسم محمد و آلہ ما راق الرقیع بنیرہ و ہلالہ و شرق المجی بجنوبہ و شمالہ

اما بعد پس جملہ مومنین بالیقین کثرہم اللہ تعالیٰ رب العالمین کی خدمت بابرکت میں التماس کرتا ہے عبد حقیر ضعیف ابو القاسم سید حسن عباس الموسوی النیشاپوری کہ جناب قاضی سید نور اللہ الشوشتری المرعشی الحسینی الملقب بہ شہید ثالث اپنے وطن مقام شوشتر ملک ایران میں پیدا ہوئے سنہ ولادت ۹۵۶ھ نوسو چھپن ہجری ہے آپ بعد حصول علم و کمال ملک ایران سے ۹۹۵ھ نوسو پچانوے میں ہندوستان تشریف لائے آپ اس پایہ کے محقق اکمل و عالم اجل ہیں کہ جو کمالات علمیہ و مجاہدات دینیہ آپکے منصۂ شہود و ظہور میں آئے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں محتاج بیان نہیں ہیں اس مقام پر تیمناً آپکا شجرۂ نسب مبارک نقل کرتا ہوں قاضی سید نور اللہ بن شریف بن ضیاء الدین نور اللہ بن محمد شاہ بن مبارز الدین بن الحسین بن نجم الدین محمود بن احمد بن الحسین بن الحسین بن محمد بن ابی المفاخر بن علی بن احمد ابی طالب بن ابراہیم بن یحییٰ بن الحسین بن محمد بن ابی علی بن حمزہ بن علی المرعش بن عبد اللہ بن محمد الملقب بالسلیق بن الحسن بن الحسین بن امام علی زین العابدین بن الامام الحسین الشہید المظلوم جناب شہید علیہ الرحمہ کا یہ سلسلۂ نسب اٹھائیس واسطوں سے

جناب سید الشہدار خامس آل عبا علیہ التحیۃ والثنا تک پہونچتا ہے آپکی عظمت وجلالت کو عام اخوان مومنین کی آگاہی کے لئے حضرت جد علاّم سید المتکلمین آیۃ اللہ فی العالمین ونقمۃ علی الجاحدین جناب مولانا السید حامد حسین الموسوی النیسابوری فردوس مآب طاب ثراہ صاحب عبقات الانوار کی ایک تحریر پر تنویر سے اخذ کر کے یہاں پیش کرتا ہوں وہی ہذہ۔

"یہ جناب علاّمہ شہید۔ اور ولی رشید۔ برگزیدہ وسعید۔ بڑے عالم اور فائدہ بخشنے والے نہایت عالی فہم اور عمدہ کلام کرنے والے سردار بزرگ اور عالم متبحر اسرار کا سرچشمہ تھے انوار کے معدن تھے۔ ان کے مقامات بلند اور ان کے کرامات روشن تھے اونھوں نے اصول و فروع دین کے مضبوط کرنے میں بڑی سعی کی علم کی قندیلیں اور شمعیں روشن کیں شریعت کے مکان محفوظ سے دشمنوں کو دور رکھا منازل بلند آخرت کے حاصل کرنے میں بڑی کوشش کی شبہات شیاطین کو باطل کیا **احقاق حق** سے ہدایت کی راہیں واضح کیں نواصب کے ظلم ظاہر کر دیئے ان کو عذاب پائندہ سے معذب کر دیا اون کے پوست شمشیر براں سے کھینچ لئے ان کو غم شدید میں مبتلا کیا اُن کے فضائل کا آوازہ تمام اطراف میں پھیل گیا ہر میدان اُن کے باران افادات سے سرسبز ہو گیا یہ بڑے سندی سید اور متکلم مستند تھے آپ بعہد جہانگیر بادشاہ علمائے مخالفین کے فتویٰ پر ۱۸ جمادی الآخرہ یوم جمعہ ۱۰۱۹ھ میں دُرّہ خار دار سے شہید کئے گئے بسبب قتل تصنیف کتاب احقاق الحق ہے جیسا کہ جناب شیخ حرّ عاملی علیہ الرحمہ کتاب امل الآمل میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقتل بسبب تالیف احقاق الحق مادہ تاریخ وفات سے

عدن جائے میر نور اللہ شدہ

۱۰۱۹ھ

سال ولادت ۹۵۶ھ مقام شوسترہ مملکت ایران — سال شہادت ۱۰۱۹ھ مقام آگرہ مملکت ہندوستان

جناب شہید کا مزار فائض الانوار شہر آگرہ (اکرہ البلاد) میں واقع ہے سب سے پہلے جناب سید محمد [illegible] موسوی نیشاپوری نے شہید علیہ الرحمہ کی شہادت کے ۱۶۹ سال بعد ۱۱۸۸ھ میں

اس روضۂ اقدس کی تعمیر کرائی یہ بزرگوار سادات موسوی نیشاپوری سے ہیں جو مقام نیشاپور ملک خراسان سے ہندوستان میں آئے تھے اولاً نواب شجاع الدولہ بہادر کی خدمت میں باریاب ہوئے بعد اوسکے نواب مرزا نجف خاں کی رفاقت میں رہے اور نواب مذکور کی نظر توجہ سے اکبرآباد جو آگرہ کے نام سے مشہور ہے اوسکی صوبہ داری پر فائز ہوئے آپنے اپنے زمانۂ صوبہ داری میں اس عالم ربّانی کے مشہد کی تعمیر فرمائی چنانچہ تاریخ مختصر سیر ہندوستان میں مرقوم ہے۔ مقبرۂ سید نوراللہ شوشتری بعمارت نفیس ومتین وباغ بسیار عمدہ وسرسبز ورنگین تعمیر وتعریض نمود۔ پھر امتداد زمانہ سے تعمیر میر منصور موسوی منہدم ہوگئی اور مزار اقدس ایک غیرآباد جنگل میں مدتوں ویران پڑا رہا جیسا کہ حضرت فردوس مآب طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ جب ۱۲۰۰ھ میں آگرہ تشریف لائے اور مزار مقدس کی زیارت فرمائی تو اُس کی حالت جناب مرحوم نے اپنے مخلص مولوی علی حسن صاحب مرحوم کو تحریر فرمائی ہے اُسکے چند جملے نقل کئے جاتے ہیں آگرہ میں ضریح مطہر ومنور قاضی نوراللہ نوّراللہ مرقدہ وعظم مشہدہ کی زیارت سے فائز ہوا میری آنکھیں اُن کے مزار کے دیکھنے سے روشن ہوگئیں اور مجھ پر انوار حق اوسکی چمک سے نمایاں ہوگئے یہ قبر پاک ایسے حال میں ہے کہ اوس پر تعمیر کی زینت وآرائش کا سامان مطلقاً نہیں ہے وہ ایسے مقام غیرآباد بلکہ جنگل میں ہے کہ سوائے کوشش بلیغ سے تلاش کرنے والے کے اور کوئی اُس تک نہیں پہونچ سکتا عجب نہیں کہ اُس کا نشان بھی مٹ جائے اور کچھ خبر اسکی معلوم نہو اس لئے کہ حق اس شہر میں نہایت پوشیدہ ہے اور اس شہر کے ظالم لوگوں پر جہل غالب ہے لیکن خدا تو اپنے نور کو پورا ہی کرکے رہیگا اور حق کا ظہور ضرور زیادہ ہوگا اس شہر کے اہل عناد سے اگر کوئی غریب اس قبر شریف کا پتہ پوچھتا ہے تو اُس کو نہیں بتاتے یا تو جہل کی وجہ سے یا دشمنی کے سبب سے باوصف علم کے انتہی بقدر الحاجۃ مزار مقدس کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ ۱۲۹۰ھ میں سید علی نقی صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر جعفری پہرسری نے بشرکت مومنین اسکو تعمیر کرایا

اور سنہ ۱۲۹۰ھ سے سنہ ۱۳۳۰ھ تک آگرہ و بیرونجات کے بعض مومنین نے مزار کی تعمیر و اصلاح میں کچھ توجہ فرمائی لیکن عام طور سے مومنین ہندوستان اس مزار مقدس کی برکات سے بالکل ناواقف تھے حسن اتفاق سے جناب آیۃ اللہ ناصر الملۃ مدظلہ العالی نے سنہ ۱۳۲۶ھ میں آگرہ تشریف لاکر مزار کی زیارت فرمائی اور اوسکی حالت ملاحظہ فرماکر کمال تاسف فرمایا اوس وقت جناب سید ناظم حسین مرحوم متولی تھے متولی صاحب کی توجہ پاکر حضور ممدوح نے وسائل ترقی مزار مبارک تجویز فرمائے اور یہ امر طے پایا کہ مزار مقدس پر جناب شہید ثالث کی کوئی مستقل یادگار قائم کی جائے جس کے ذریعہ سے اس مشہد کریم کی کماینبغی شہرت ہو اور عام مومنین کی توجہ اسکی جانب مبذول ہو سکے لہذا جناب ممدوح کے ارشاد کے بموجب سالانہ مجالس یادگار کی بنا قائم کی گئی لیکن متولی صاحب کی خواہش پر کوئی بزرگوار اہل آگرہ و بیرونجات سے اس اہم خدمت کے بجالانے پر آمادہ نہوئے آخرکار متولی صاحب کی متواتر زبانی و تحریری اصرار کے بعد باجازت جناب ناصر الملۃ مدظلہ العالی انتظام مزار مقدس کے لئے اس حقیر کا انتخاب کیا گیا اور بمصداق قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند جملہ خدمات مزار بانتخاب عام جلسہ سالانہ راقم سطور کے سپرد کی گئیں جس کو سید ناظم حسین مرحوم متولی مزار اپنی تحریر مرقومہ ۲۶ رجب سنہ ۱۳۳۲ھ میں ارقام فرماتے ہیں۔ جب سے مزار اقدس میرے اہتمام میں آیا اور بعض حضرات کی خواہش ہوئی کہ اس کا انتظام بہتر طریقے سے ہونا چاہئے اور میں خود اس کا ذمہ دار ہوں۔ تب میں نے خیال کیا کہ اس کام کو میں کسی عالم کے سپرد کردوں تاکہ کسی صاحب کو کوئی موقع شکایت کا نہو پانچ چھ سال سے میں نے اکثر حضرات سے اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن وہ بوجوہ چند آمادہ نہوئے چنانچہ میں نے عالی جناب مولانا سید حسن عباس صاحب قبلہ سے درخواست کی کہ وہ جلسہ کا انتظام فرمادیں اور بطور سکریٹری کے جملہ امور کو اپنے ہاتھ میں لیں میری درخواست منظور ہوئی اور پہلا جلسہ باشان و شوکت صرف ممدوح کی کوشش و محنت کی وجہ سے مع الخیر انجام کو پہونچا بعدہ میں نے باصرار تمام سکریٹری صاحب کی

خدمت میں عرض کیا کہ وہ یہاں قیام فرما کر جملہ انتظامات و تعمیرات وغیرہ وغیرہ کو انجام دیں چنانچہ مومنین کی خوش نصیبی سے یہ معروضہ بھی قبول ہوگیا اور ایک انجمن بنام انجمن معین الزائرین آگرہ قائم ہوگئی اور جملہ آمدنی و اخراجات جناب سکریٹری صاحب کی زیر نگرانی ہونے لگے تعمیر مسافر خانہ و اہتمام مجالس وغیرہ سب سکریٹری صاحب کے انتظام میں ہے ایکسال تک نہایت عمدگی کے ساتھ یہ کارروائی چلتی رہی دوسرے جلسہ میں بکثرت زائرین قریب و بعید سے تشریف لائے جناب سکریٹری صاحب نے اسقدر محنت و جانفشانی سے کام کیا کہ کوئی معاوضہ دنیا میں اُس کا نہیں ہوسکتا ایک سال کے اندر جو ترقی ہر قسم کی ہوئی ہے وہ ظاہر و ہویدا ہے مسافر خانے تعمیر ہوگئے ہر پنجشنبہ کو مجالس باقاعدہ ہونے لگیں اور عام مومنین کو شوق پیدا ہوگیا ہے کہ مزار اقدس کو عالی شان بنایا جائے۔

حضرت ناصر الملۃ والدین کے اس احسان سے یہ حقیر کسی طرح سبکدوش نہیں ہوسکتا کہ بعد قبول فرما لینے میری رائے کے جو جلسہ سالانہ کی بابت تھی جناب ممدوح نے میری دوسری خواہش کو بھی منظور فرمالیا اور اپنے پارۂ دل اور قوت بازو جناب صفوۃ الافاضل مولانا السید حسن عباس دام افضالہم کو حکم دیا کہ وہ اس تحریک میں شرکت فرما کر میرے ساتھ کام کریں۔ چنانچہ ممدوح نے شروع سے آخر تک جو کوشش بلیغ فرمائی وہ پوشیدہ نہیں حق یہ ہے کہ اس ذات بابرکات کے احسانات سے قوم کسی طرح سبکدوش نہیں ہوسکتی خداوند عالم اس معدن خلق و احسان کو بتصدق ائمہ طاہرین قائم و سالم رکھے اور مدارج اعلیٰ پر فائز کرے۔

سید ناظم حسین متولی مزار اقدس۔ منقول از رسالۂ الشہید آگرہ

الغرض ۱۳۱۲ھ سے ابتک کہ ۱۳۵۰ھ ہے ستائیس سال سے یہ حقیر مزار اقدس اور مومنین زائرین شہید ثالث علیہ الرحمہ کی خدمت کر رہا ہے اور جو جو صعوبات میں نے برداشت کئے ہیں اون کے لئے خدا سے طالب اجر ہوں کیونکہ وہ کسی عمل خیر کے اجر کو ضائع نہیں کرتا وَاِنَّہٗ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادُ بہرحال بمصداق اول بہ آخر نسبتے دارد ابتدا میں بھی اس

شہید راہ خدا کے مزار مقدس کو ایک جلیل القدر ایرانی النسل سید **موسوی** نیشاپوری نے آباد کیا تھا اور اس مشہد مبارک کی تعمیر فرمائی لیکن امتداد زمانہ سے وہ تعمیر منہدم ہوگئی اور تقریباً ڈیڑھ صدی کے بعد پھر زمانہ نے کروٹ لی اور اسی نسل کے ایک **موسوی نیشاپوری** فرد فرید کے ہاتھوں یہ مشہد کریم منتہائے ترقی و عروج پر پہونچ گیا ہے یعنی اُس خاندان کے راس و رئیس فخر دودمان موسوی مرجع و ملاذ دین نبوی حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام جناب ناصر الملۃ والدین ایدہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی و نظر توجہ و التفات سے اس مشہد عظیم کی تعمیر و آبادی منصۂ ظہور میں آئی ہے جس سے شیعی دنیا کا ہر فرد واقف ہے اس **خاندان موسوی** کے مورث اعلیٰ **جناب ابوطالب سید شرف الدین** واقعۂ ہلاکو خاں کے بعد نیشاپور ملک ایران سے ۶۱۸ھ چھ سو اٹھارہ ہجری میں ملک ہندوستان میں تشریف لائے اور مقام **کنتور** کو اپنا مسکن و وطن بنایا جو کالنور علیٰ شاہق الطور مشہور نزدیک و دور ہے و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء بالجملہ مجالس یادگار کی بنا قائم ہوگئی اور اسکی اصلی و اعلیٰ غرض یہ تھی کہ مومنین کی اعانت و توجہ سے مصنفات جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ کی اشاعت کی جائے چنانچہ جناب ناصر الملۃ مدظلہ العالی کے ایما و متولی صاحب مزار مقدس و دیگر حضرات کی فرمائش سے اشاعت مصنفات کی خدمت بھی اس نحیف کے سپرد کی گئی اور ۱۳۴۱ھ میں حقیر نے رسالہ آیہ تطہیر مصنفہ جناب شہید ثالث کا ترجمہ کیا۔ ترجمۂ رسالہ مذکورہ کے متعلق متولی صاحب عبارت ذیل تحریر کرتے ہیں "میں نے محسن قوم جناب صفوۃ الافاضل مولانا السید حسن عباس دام افضالہم سے عرض کیا کہ آپ کسی رسالہ کا ترجمہ فرما کر بسم اللہ کر کے اوسکو طبع کرا دیجئے اس طور پر ترجمہ اور طبع کا کام جاری رہیگا چنانچہ ممدوح نے میری اس رائے کو قبول فرما کر نہایت حسن و خوبی کے ساتھ رسالہ **آیۂ تطہیر** کا ترجمہ مع حواشی و تفاسیر تیار کیا جسکو اس حقیر نے طبع کرا دیا ہے"۔ اخفر کونین

سید ناظم حسین متولی مزار شہید ثالث"

وہ رسالہ طبع ہو کر شائع ہو گیا رسالہ مذکورہ کے چھ سو نسخے دفتر "الشہید" میں اس وقت بھی موجود ہیں اگر ان کو رؤسا قوم خرید کر عام مومنین میں تقسیم فرما دیں تو یہ نشر فضائل اہلبیت علیہم السلام کے سلسلہ میں بہترین خدمت ہو گی طبع رسالہ آیہ تطہیر کے بعد بغرض اشاعت دیگر مصنفات شہید ثالث رسالہ "الشہید" آگرہ جاری کیا گیا اور اس رسالہ کے ہمراہ کتاب مستطاب احقاق الحق جو جناب قاضی صاحب کے قتل و شہادت کا سبب ہوئی ہے اس کا ترجمہ خلاصہ باب امامت بطور ضمیمہ شائع ہوتا رہا دلائل امامت جناب امیر المومنین علیہ السلام کی بہتر دلیلیں طبع ہو چکی تھیں اور قریب تھا کہ یہ باب امامت پورا ہو جائے لیکن افسوس ہے کہ نامساعدت زمانہ سے رسالہ "الشہید" بند ہو گیا اور مترجم کی چھ برس کی محنت شاقہ ناتمام رہ گئی گیارہ سال کی مدت بدید گذرنے کے بعد بحمداللہ ہر آں چیز کہ خاطر میخواست + آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید اس عاجز و نحیف نے پھر اس امر اہم کے اتمام کا قصد کر لیا حق سبحانہ و تعالیٰ کا کمال تفضل و احسان ہے کہ باوجود تواتر آلام و اسقام و ہجوم افکار بطفیل حضرات ائمہ معصومین اطہار سلام اللہ علیہم ما اتصل اللیل والنہار۔ ترجمہ کو تمام کیا مخفی نہ رہے کہ ترجمہ مذکورہ میں بعض فوائد ایسے درج کئے گئے ہیں جو ناظرین و طلبۂ علوم دین مبین کے لئے بیحد نافع ہوں گے اور ایک خصوصیت خاصہ اس ترجمہ کو یہ بھی حاصل ہے کہ جناب آیۃ اللہ ناصر الملۃ والدین صدر المحققین سلطان الفقہاء والمتکلمین مولانا السید ناصر حسین الموسوی النیشاپوری مجتہد العصر ایدہ اللہ تعالیٰ وادام وجودہم العالی بتعاقب الایام واللیالی نے من اولہ الی آخرہ ملاحظہ فرما کر اپنی شرف اصلاح سے مشرف فرمایا ہے وکفی بذلک شرفاً و فضلاً میری بڑی فروگذاشت ہو گی اگر میں الحبر العلام والبحر القمقام سلالۃ العلماء الاعلام و نتیجۃ المتکلمین الناصرین الدین سید الانام الاخ الرشید والماجد الصندید مولانا السید محمد نصیر الموسوی النیساپوری دامت معالیہم السامیہ کے اس امتنان کو بیان نہ کروں

کہ ممدوح نے اس کتاب کے ترجمہ میں اس حقیر کو اکثر اوقات اپنے مشاغل علیہ کا حرج کر کے اعانت میں دریغ نہیں فرمایا خداوند عالم عزیز موصوف کو اس کا اجر کامل عطا فرمائے اور اُن کی عمر و علم و کمال کو یوماً فیوماً زیادہ کرے انہ ولی الاجابۃ اب میں بکمال عجز و خلوص خدا سے اعانت طلب کر کے اس ترجمۂ احقاق الحق کو بارگاہ عرش پناہ جناب امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب وصی حضرت ختم المرسلین علیہ و آلہ آلاف السلام من اللہ الملک الحق المبین میں پیش کرتا ہوں اور یہ میرے افتخار کے لئے کافی و وافی ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی سیدنا ابی القاسم محمد و آلہ الطیبین الطاھرین

لکھنؤ۔ ۱۵ ماہ صیام ۱۳۵۸ھ



اعلام



بالفعل کتاب مستطاب احقاق الحق تصنیف فخر العلماء والمجتہدین رئیس المتکلمین السید نور اللہ الشوشتری الحسینی المرعشی رحمہ اللہ کے بعض مباحث کا ترجمہ شائع کرنا مطلوب ہے اس ترجمہ میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اصل عبارت عربی کی شائع نہ ہو گی بلکہ اس کتاب کے وہ مضامین جن سے عامۂ مومنین کو دلچسپی ہو گی بطور خلاصہ عام فہم ترجمہ کر کے شائع کئے جائیں گے چونکہ ہم کتاب احقاق الحق کے مبحث امامت کو بطور تلخیص ترجمہ کریں گے لہذا اس سلسلہ کو حقائق الاحقاق کے نام سے موسوم کرتے ہیں امید ہے کہ ان مضامین سے مومنین بالیقین مستفید ہو کر محظوظ و بہرہ ور ہوں گے اور خدا سے دعا فرمائیں گے کہ وہ مجھے اس امر خیر و مبارک میں موفق فرمائے بحق محمد و آلہ المعصومین علیہم السّلام الی یوم القیام اس کتاب میں پہلے جناب علامہ حلی حلہ اللہ دار السّلام کی کتاب کشف الحق و نہج الصدق کی عبارات نقل کی گئی ہے اُسکے بعد **فضل بن روزبہان** کا جواب جس کا نام اُس نے ابطال الباطل رکھا ہے درج کیا گیا ہے پھر اس کے بعد **جناب قاضی سید نور اللہ شہید ثالث** علیہ الرحمہ نے کتاب ابطال الباطل کا مفصل جواب تحریر فرمایا ہے۔



مبحث امامت

کلام علامۂ حلی علیہ الرحمہ

پانچواں مسئلہ امامت کے بیان میں ہے اور باب امامت میں چند مباحث ہیں اول یہ کہ امام کے لئے واجب ہے کہ وہ معصوم عن الخطا ہو فرقۂ امامیہ اس امر کا قائل ہے کہ مثل انبیاء کے ائمہ علیہم السّلام کے لئے واجب ہے کہ وہ معصوم ہوں تمام بری باتوں اور جملہ فواحش سے ابتدائے عمر سے آخر تک عمداً ہوں یا سہواً اس وجہ سے کہ وہی ائمہ علیہم السّلام حافظان شریعت اور اُس کے قائم کرنے والے ہیں قیام وحفظ شریعت میں اُن کا حال مثل جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے اور امام علیہ السّلام کی حاجت اور ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ وہ ظالم اور مظلوم کے درمیان میں انصاف کرے فسادات کو دور کرے اور مادۂ فتنہ کو قطع کرے اور وجود امام ایک لطف باری تعالیٰ ہے کہ جو ظالم کو ظلم و تعدی کرنے سے باز رکھتا ہے اور تمامی مردم کو طاعت الٰہیہ کی طرف رغبت دلاتا ہے اور محرمات پروردگار عالم سے اجتناب کرنے کا حکم کرتا ہے اور حدود و فرائض کو قائم فرماتا ہے اور اہل فسق سے مواخذہ کرتا ہے اور جو لوگ بسبب اپنے افعال کے موجب تعزیر ہوتے ہیں اُن کو سزا دیتا ہے پس اگر امام کے لئے معصیت جائز ہوتی اور اُس کی ذات سے صدور معصیت روا ہوتا تو جسقدر فوائد اوپر بیان ہوئے سب معدوم ہو جاتے اور ایسی حالت میں ایک دوسرے امام کی حاجت ہوتی اور جب اُس سے بھی معصیت ظاہر ہوتی تو ایک تیسرے ہادی اور امام کی ضرورت لاحق ہوتی اور اسی طرح سلسلہ چلا جاتا اور تسلسل باطل ہے فرقۂ اہلسنت نے اس امر میں مخالفت کی ہے اور وہ اس کے

قائل ہوئے ہیں کہ خواہ اہل فسق ہوں یا خدا کے عصیان کرنے والے یا چوری کرنیوالے ہوں سب کے لئے جائز ہے کہ وہ امام خلق ہو سکتے ہیں جیسا کہ علامہ زمخشری نے کہ جو اہل سنت کے افضل علماء میں سے ہیں اسکی مثال میں دوانیقی کو جو لقب منصور سے مشہور ہے دزد بیان کیا ہے پس کون عاقل اس بات پر راضی ہوگا کہ اپنے امور دینی اور تقرب باری تعالیٰ کے لئے ایسے شخص کا مطیع و منقاد ہو کہ جو ہمہ وقت فسق و فجور کا مرتکب ہو اور اقسام فواحش میں ڈوبا ہوا رہے اور وہی عاقل اُن خدا کے خاص بندوں سے اعراض کرے کہ جو اُسکے مطیع بنا رہے اور زہد و عبادت میں نہایت درجہ سعی کرنے والے ہوں حالانکہ خداوند عالم نے اس امر کو بُرا ظاہر کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے امّن ھو قانت آناء اللیل ساجدا وقائما یحذر الاخرۃ ویرجو رحمۃ ربّہ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب خدا فرماتا ہے کہ آیا وہ شخص جو خضوع کرتا ہے ساعات لیل میں اور سجدہ کرتا ہے اور قیام کرتا ہے اور روز آخرت سے خوف رکھتا ہے اور اپنے پروردگار سے رحمت کا امیدوار ہے کہدو اے رسول کہ نہیں برابر ہیں جو لوگ علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم سے بے بہرہ ہیں اور اس امر کو صاحبان عقل و فہم ہی سمجھتے ہیں نہ غیر۔ اور اشاعرہ کے قواعد پر یہ امر درست نہیں ہو سکتا کیونکہ اُن کے مذہب میں خود باری تعالیٰ سے (صدور قبائح) بری باتوں کا صادر ہونا جائز ہے اور منجملہ اُنھیں قبائح کے (کذب) یعنی جھوٹ بولنا ہے پس اس آیہ مبارکہ میں کذب جائز ہوگا حالانکہ باری تعالیٰ کذب سے بری ہے تعالیٰ عن ذلک علوا کبیرا لیکن اور باقی فرقے پس اُن کے مذہب میں مفضول کو فاضل پر مقدم کرنا جائز ہے لہذا اس امر کو قبیح سمجھنا اُن کے قول کے موافق بھی درست نہ ہوگا پس ظاہر ہوا کہ اہل سنت کے دونوں فریق یعنی اشاعرہ اور غیر اشاعرہ دونوں مخالف ہیں کتاب عزیز کے (یعنی قرآن مجید کے) ختم ہوا قول علامہ حلی رحمہ اللہ۔

قول ابن روزبہان

مبحث امامت فرقۂ اشاعرہ کے نزدیک اصول دین وعقائد سے نہیں ہے
بلکہ اشاعرہ امامت کو فروع دین سے جو کہ افعال مکلفین سے متعلق ہے سمجھتے ہیں اور
منصب امامت اشاعرہ کے نزدیک خلافت رسول ہے دین کے قائم کرنے اور ملت کی حفاظت
کرنے کے لئے اس حیثیت سے کہ امام کا اتباع تمامی امت پر واجب ہے اور شرائط اُس
امام کے جو امامت کا مستحق واہل ہو یہ ہیں کہ وہ اصول وفروع دین میں مجتہد ہو تاکہ امور دین
کی اقامت کر سکے تدبیر حرب وترتیب جیوش کے لئے صاحب رائے وبصیرت ہو شجاع
وقوی القلب ہو تاکہ اسلام سے دشمن کو دفع کرے عادل ہو ظلم وجور نہ کرتا ہو کیونکہ شخص فاسق
اموال عشیر کو اغراض نفسانیہ میں صرف کریگا اور عادل ہمارے نزدیک وہ شخص ہے جو
گناہان کبیرہ کا مرتکب نہ ہوتا ہو اور صغیرہ پر مصر نہ ہو۔ امام کو عاقل ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اُس میں
تصرفات عشیر کی صلاحیت پائی جائے اور وہ امام بالغ ہو کیونکہ طفل کی عقل ناقص ہوتی ہے
وہی امام مرد ہو کیونکہ عورات ناقص العقل والدین ہوتی ہیں اور وہ مرد آزاد ہو اور قبیلہ قریش
میں سے ہو پس جو شخص ان تمام صفات کا جامع ہوگا وہی امامت اور ریاست کبریٰ کے
اہل ولائق ہے لیکن امام کے لئے مرتبہ عصمت کا لازمی ہونا پس یہ شرط فرقہ شیعہ امامیہ اور فرقہ
اسمعیلیہ نے ضروری قرار دی ہے اور استدلال کیا ہے اس شخص نے (یہ قول ہے ابن روزبہان
کا جو جناب علامہ حلی رحمہ اللہ کے لئے اپنی کتاب ابطال الباطل میں لکھتا ہے) بحث
امامت پر عصمت کے ساتھ کہ امام کی طرف آدمیوں کو امور مذکورہ بالا میں حاجت ہوتی
ہے اور اگر امام کے لئے معصیت جائز ہوتی اور اُسکی ذات سے صدور معصیت روا
ہوتا تو یہ فوائد باقی نہ رہتے اور ہم کہتے ہیں کہ علامہ حلی عصمت سے کیا مراد لیتے ہیں اگر انہوں
نے عصمت سے مراد لیا ہے کہ امام تمام احوال میں صغائر وکبائر سے اجتناب کرتا ہو پس

اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں کیونکہ امام سے بعض گناہان صغیرہ کا صادر ہونا کہ جو اُسکے لئے معاف ہیں باوصف اسکے کہ وہ گناہان کبیرہ سے اجتناب کرتا ہے اس امر کی نفی نہیں کرتا ہے کہ وہ امام مظلوم وظالم کے درمیان میں انصاف نہ کرسکے اور باقی امور مذکور کو بجا نہ لاسکے اور اگر ارادہ کیا ہے علامہ حلی نے وجود اصل ملکہ کا جو مانع ہوگا فجور سے پس ہم بھی اسی عصمت کے قائل ہیں اور اسکے وجوب کو امام کے لئے شرط جانتے ہیں کیونکہ ہمنے اوپر شرط کی ہے کہ امام عادل ہوگا اور شخص عادل وہی ہے جسکے لئے ایسا ملکۂ عصمت حاصل ہو جو ارتکاب فجور سے مانع ہو اور امام سے بعض گناہان صغیرہ کا صادر ہونا بعض اوقات میں ملکہ عصمت کو باطل نہیں کرتا کیونکہ ملکہ ایک کیفیت راسخہ ہے جو نفس میں پیدا ہو جاتی ہے کہ جب ارادہ کیا جاتا ہے کسی فعل کے صدور کا تو وہ بلا مشقت وکلفت وفکر صادر ہوتا ہے اور کسی فعل کا خلاف ملکۂ راسخہ صادر ہونا اُس ملکۂ راسخہ کی نفی نہیں کرتا ہے کیونکہ انسان عوارض سے خالی نہیں ہے مثل اسکے کہ کسی شخص میں ملکہ عفت وشجاعت خلقی ہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ اُس سے کبھی خلاف ملکہ بعض امور صادر ہوں اور باوصف صادر ہونے ان امور کے اُسکی ذات سے ملکۂ راسخہ زائل نہیں ہوتا ہے لہذا عصمت کہ جو ملکہ راسخہ کے معنوں میں ہے وہ اُس شخص کے لئے حاصل ہے جو کبائر سے اجتناب کرتا ہو اور اُس کے ترک پر مصر ہو اگرچہ اُس سے کسی وقت میں بعض صغائر نادراً سرزد ہو جاتے ہوں پس مسئلہ عصمت میں جو اشکال تھا وہ جاتا رہا اور اب تسلسل لازم نہ آئے گا جیساکہ علامہ حلی نے ذکر کیا ہے لیکن علامہ نے یہ جو کہا ہے کہ اہل سنت نے امر عصمت میں اختلاف کیا ہے اور اسکے قائل ہوئے ہیں کہ سارقین وفاسقین کے لئے امامت جائز ہے پس تجھکو معلوم ہے کہ یہ امر علامہ حلی کے افترارات میں سے ہے جو اُنھوں نے اہل سنت پر کیا ہے کیونکہ بلکہ کتب اہل سنت اس بات کے ذکر سے مملو ہیں کہ ائمہ کے لئے عدالت واجب ہے پس شخص فاسق کے لئے اہل سنت کے نزدیک کیونکر جائز ہوگا کہ امام ہو حالانکہ وہی شخص فاسق ضد ہے شخص عادل

کا پس معلوم ہوا کہ علاّمہ حلی نے اہل سنت پر کذب و افترا کیا ہے اور باقی امور جو اُن کے کلام میں مذکور ہوئے ہیں اُن کے جوابات کو تو مکرر معلوم کر چکا ہے۔ ختم ہوا خلاصہ قول ابن روزبہان کا۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

ابن روزبہان کے اس قول میں کئی وجوہ سے نظر ہے لیکن پہلا امر جو اُس نے ذکر کیا ہے کہ مبحث امامت اشاعرہ کے نزدیک اصول دین سے نہیں ہے بلکہ اُن فروع سے ہے جو متعلق ہیں افعال مکلفین سے الی آخر الکلام پس یہ دلیل ہے علمائے اہل سنت کی عدم دیانت اور عدم اطلاع کی حقائق اصول دین پر کیونکہ انکار اُن لوگوں کا امامت کے اصل ہونے سے ایک مکابرہ ہے جو مردود ہے اس امر سے جسکو علامہ حلی نے ذکر فرمایا ہے کہ ائمہ حافظان شریعت اور اُس کے قائم کرنے والے ہیں اور ان ائمہ علیہم السّلام کی حالت مثل جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے اور چونکہ یہ دلیل نہایت قوی تھی اسی وجہ سے ابن روزبہان نے اسکے جواب سے اغماض کیا اور نہایت تعجب ہے کہ علماء اہل سنت نے امامت کے فروع دین سے ہونے میں بہت مبالغہ کیا ہے یہاں تک کہدیا ہے کہ اس امر سے نہ بحث کرنا واجب ہے اور نہ اس میں حق کا طلب کرنا ضروری ہے بلکہ اس مسئلہ میں تقلید کافی ہے لہذا اس مسئلہ میں مخالفت کرنے والا کافر نہیں ہے بلکہ ان کے ظاہر اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخالف فاسق بھی نہیں ہے اور اس امر کا التزام محض اس لئے کیا گیا ہے تاکہ اُن کے لئے ثبوت امامت بانتخاب میں سہولت ہو جائے اور نص اور اعتبار کی ضرورت باقی نہ رہے اور نیز فائدہ اس کا یہ ہے کہ جو حقوق اُنھوں نے ائمہ کے خلفاء کو دیدیئے ہیں اور جو احادیث کہ آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کر دیئے ہیں اُن کا فساد معلوم نہو۔

پھر اُنھوں نے اس امر کا مناقضہ کیا ہے اور اس بات کی تصریح کی ہے کہ حقوق نبوت

حمایت بیضۂ اسلام میں اور حفظ شریعت میں اور نصب رایات و نشانات جہاد کفار اور اہل بغاوت میں اور مظلوم کے لئے انصاف کرنے میں اور نیکی کے نافذ کرنے اور بدی کے دور کرنے میں اور علاوہ اسکے جو امور توابع منصب نبوت سے ہیں وہ سب امامت کے لئے ثابت ہیں کیونکہ مرتبۂ امامت خلافت نبوت ہے اور بسبب دلیل قول باری تعالیٰ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے پس اولی الامر وہی امام ہے بالاتفاق اور اُسی امام کی معرفت واجب ہوگی اصالۃً نہ من باب المقدمہ۔

اور اس دلیل سے کہ اہلسنت نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے مثل حمیدی کے کتاب جمع بین الصحیحین میں تحقیق فرمایا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص مرجائے اور امام زمانہ کو نہ پہچانتا ہو اُسکی موت جاہلیت کی ہوگی اور یہ روایت نص صریح ہے اس بارے میں کہ مرتبہ امامت اصول دین سے ہے بسبب اس علم ضروری کے کہ جاہل کسی امر کا فروع دین سے اگرچہ وہ امر واجب ہو اُسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی اسلئے کہ اُس شئے کا جاہل ہونا اُسکے اسلام میں موجب قدح نہیں ہے اور امام زمانہ سے قرآن مجید مراد نہیں ہے جیسا کہ اہلسنت نے گمان کیا ہے ورنہ اُس کا سیکھنا واجب ہوگا ہر شخص پر (یعنی تمام اُسکے حقائق کا دریافت کرنا اور سمجھنا ہر ہر شخص کے لئے واجب عینی ہوتا) اس وجہ سے قرآن مجید مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام کی اضافت کی ہے زمانہ کی طرف اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ہر زمانہ کے اہل کے لئے ایک امام مخصوص ہوگا کہ جس کی معرفت اہل زمانہ پر واجب ہوگی اور اس قول کی بنا پر کہ امام زمانہ سے مراد تمام قرآن مجید ہے یا بعض قرآن مثل سورۂ فاتحہ کے اس تخصیص کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا خاص کر مذہب حنفی کی بنا پر کہ وہ تعلم قرآن کو واجب نہیں جانتے ہیں اور نہ فاتحہ کتاب اور نہ کسی دوسرے حصۂ قرآن کو بلکہ وہ اس بات کا حکم کرتے ہیں کہ زبان فارسی میں (مدہامتان کا ترجمہ) دو برگ سبز کہہ لینا

کافی ہے جیسا کہ جمہور علماء میں مشہور ہے پس یہ تاویل مقتضائے حدیث کے مطابق نہ ہو گی قطعاً بلکہ کتاب منہاج کے مبحث اخبار میں قاضی بیضاوی نے اور ایک جماعت نے اُس کے شارحین میں سے اس امر کی تصریح کی ہے کہ مسئلہ امامت اعظم مسائل اصول دین سے ہے کہ جس کی مخالفت کرنا موجب کفر و بدعت ہے اور مذہب حنفیہ میں سے استروشنی نے اپنی کتاب فصول میں بیان کیا ہے کہ جو شخص ابوبکر کی امامت کا قائل نہیں وہ کافر ہے بلکہ اہل سنت اس امر میں اپنے فعل سے بھی مناقضہ کرتے ہیں کیونکہ ارادہ کرتے ہیں اُس شخص کے قتل کر دینے کا جو ابوبکر کو امام نہیں جانتا یا یہ کہتا ہے کہ میں اس کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ امیرالمومنین علیہ السلام بلا واسطہ خلیفہ نبی صلعم ہیں بسبب اُس گمان کے کہ جو میرا ہے یا بسبب تقلید بعض مجتہدین کے بہرحال اگر مسئلہ امامت فروع دین سے ہوتا تو اس میں مجتہد کا گمان کافی تھا یا تقلید غیر کی پس ایسی حالت میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُس مجتہد کو جس نے ایک گمان کیا ہے خاطی کہا جائے یا یہ کہ وہ قائل ہوا ہے ایسے امر کا جو گذر گیا نہ یہ کہ وہ اس امر کے قائل ہونے سے قتل کیا جائے حالانکہ فتوے اہلسنت بلکہ فعل اُن کا اس حکم کے خلاف ہے (یعنی اہل سنت اہل تشیع کو بسبب خلیفہ بلافصل جاننے امیرالمومنین علیہ السّلام کے واجب القتل جانتے ہیں)

اور استدلال کیا ہے صاحب کتاب مواقف اور شرح مواقف نے دلیلوں سے امامت کے فروع ہونے پر اس دلیل سے کہ نصب کرنا امام کا امت پر واجب ہے از روئے سمع کے دو وجہوں سے ۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ صدر اول میں مسلمین کا اجماع متواتر ہوا کہ بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی وقت کا امام زمانہ سے خالی ہونا ممنوع ہے یہاں تک کہ ابوبکر نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اور اس دین کا قائم رکھنے والا کوئی شخص ضروری ہے پس تمام لوگ ابوبکر کے قول کی طرف متوجہ ہو گئے اور مہمات امور مثل دفن جناب

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نماز اور تعزیت وتسلیہ اہلبیت سب کو ترک کر دیا اور خلفاء کے بعد سے اس وقت تک ہر زمانہ میں لوگ اسی امر پر قائم ہیں کہ ایک نہ ایک امام کا نصب کرنا واجب ہے کہ جو قابل اتباع ہو۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طریقہ سے امام بنا لینے میں دفع ضرر مظنون ہے اور دفع ضرر واجب ہے۔ اجماعاً۔

اور بیان اس کا یہ ہے کہ ہم نے اس علم سے جو قریب بداہت ہے جان لیا ہے کہ مقصود جناب شارع علیہ السلام کا بنا شریعت سے خلائق کے امور معاش ومعاد کے وہ مصالح ہیں کہ جن کا فائدہ انھیں خلائق کی طرف عائد ہے ختم ہوا کلام صاحب شرح مواقف کا۔

جناب قاضی سید نور اللہ شستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس دلیل میں بہت سے وجوہ خلل وفساد کے موجود ہیں لیکن خلل اس استدلال کا کہ نصب امام امت پر واجب ہے پس وہ اسلئے ہے کہ یہ دعویٰ مصادرہ علی المطلوب ہے کیونکہ واجب ہونا نصب امامت کا امت پر مبنی ہے اس امر پر کہ مسئلہ امامت فروع دین سے ہو باوصف اس امر کے کہ وجوب سمعی منحصر ہے کتاب وسنت واجماع میں اور یہ سب چیزیں باعتراف خصم اس مقام پر مفقود ہیں جیساکہ عنقریب ظاہر ہوگا۔

اور نیز یہ کہ وجوب نصب امام امت پر مقتضی ہے اس بات کا کہ جب وہ کسی امام کی امامت پر متفق نہوں تو انعقاد امامت نہوگا بلکہ نصب امامت میں پے در پے اعادہ نظر واجب ہوگا اور کبھی اس نظر کے اجماع سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کیونکہ اکثر ان میں اختلاف آراء بھی ہوتا ہے اور یہ امر امامت کو امت کی رائے پر معلق کرنے کو باطل کرتا ہے ورنہ نصب امام کا متعذر ہونا لازم آئے گا یا ہر فریق کی اپنی رائے پر عمل کرنے کا جواز لازم آئے گا پس اس صورت میں ہر فریق کا منصوب کیا ہوا امام خاص اُس فریق کا امام ٹھیریگا

اور یہ امر باطل ہے لیکن قول شارح مواقف کا کہ مسلمین کا بہ تواتر اجماع ہے محال ہونے پر خالی ہونے وقت کے امام سے تو یہ اسلئے باطل ہے کہ ممنوع ہونا خلو زمانہ کا امام سے عام ہے اس سے کہ وہ امام منصوب من اللہ والرسول ہو یا منجانب امت ہو اور دلالت عام کو خاص پر نہیں ہے پس حاصل مطلوب نہ ہوگا باوصف اس امر کے کہ اجماع جو ذکر کیا گیا ہے وہ حجت ہے خلاف پر اُنہیں اہل تسنن کے اور مفید نہیں ہے کیونکہ ہم بہت سے زمانوں کو پاتے ہیں کہ جو خالی رہے اُس امام سے کہ جو جامع ہو شرائط معتبر کا جیسے کہ قرشی ہونا جو اُن کے نزدیک بالاتفاق ضروری ہے اور عادل ہونا اور مجتہد ہونا کہ جس میں اختلاف ہے (یعنی بہت سے زمانوں میں ایسے خلیفہ رہے کہ جو نہ قرشی تھے نہ عادل تھے اور نہ مجتہد تھے) اور اس بات کا قائل ہونا کہ ایسا امام کسی غیر معلوم گوشۂ دنیا میں موجود ہوگا مکابرہ ہے لیکن یہ قول اُس کا کہ تمام لوگوں نے ابوبکر کے قول کی طرف سبقت کی پس یہ باطل ہے اسلئے کہ یہ کل درحقیقت بعض تھے کل اصحاب کے باتفاق اہل اسلام پس تمام لوگوں کے نزدیک یہ سبقت ہر شخص پر حجت نہ ہوگی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مبادرت امام منصوب من اللہ والرسول کے تفحص کے لئے ہو۔

اور اُس کا یہ قول کہ لوگوں نے اہم امور کو ترک کر دیا پس یہ باطل ہے اسلئے کہ جس نے ترک کیا امام کو اور دفن رسول کو وہ جائر (یعنی ظلم کرنے والا) اور جاہل و زندیق تھا نہ عالم و عادل اور نہ صدیق۔

اور فرقہ شیعہ ان لوگوں کے اس فعل سے اُن کے عصیان پر استدلال کرتے ہیں بلکہ اُن کا یہ فعل دلیل اُن کے عدم ایمان کی ہے اور اُنہوں نے اپنے اس فعل سے دنیا کو آخرت پر اختیار کیا اور دلیل اسکی یہ ہے کہ اہل سنت ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی مغفور پر نماز پڑھے تو اُسکے گناہ بخشدیئے جاتے ہیں پس اگر وہ لوگ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے تصدیق کرنے والے تھے

تو ہرگز آنحضرت صلعم کی تجہیز و تکفین و نماز سے کہ جو موجب سعادت کبریٰ و مغفرت عظمیٰ تھی اعراض نہ کرتے کیونکہ امور دین و دنیا میں مصلحت و مشورہ ایک یا دو دن کی تاخیر سے فوت نہ ہوتا پس اگر اُن اصحاب کو کچھ بھی ایمان و مروت کا پاس و لحاظ ہوتا تو وہ آنحضرت صلعم کی نماز تک ضرور صبر کرتے اور اہلبیت علیہم السلام کو اس مصیبت عظمیٰ میں تعزیت دیتے اُسکے بعد اُن حضرات کو اپنے مشورہ میں شریک کرتے کیونکہ نزاع امر خلافت میں اُنھیں کے ساتھ تھی یہی وجہ ہے کہ جناب امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ کیونکر شوریٰ صحیح ہوگا جبکہ اصلی شوریٰ دینے والے اُس میں موجود نہوں اور کسقدر تعجب ہے کہ فیصلہ امر خلافت کیونکر واجب فوری ہوگیا حالانکہ جب قبل وفات آنحضرت صلعم نے بحالت مرض ارادہ فرمایا کہ اس معاملہ میں ایک تحریر لکھدیں تو اُسکو عمر نے حسبنا کتاب اللہ کہکر منع کردیا جیسا کہ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

اور یہ جو شارح مواقف نے بیان کیا ہے کہ خلفاء کے بعد سے اس وقت تک نصب امام کے لئے یہی طریقہ جاری ہے پس یہ ایک مکابرہ ہے اور خلاف اس کا ظاہر ہے جو کسی شخص سے مخفی نہیں۔

اور یہ جو اُس نے کہا ہے کہ اجماع سے امام بنا لینے میں دفع مظنون ہے پس یہ اسلئے باطل ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور آنحضرتؐ کی غیبت میں اس طرح سے امام کے نصب کرنے میں ضرر مظنون ہی نہیں ہے بلکہ یقینی ضرر ہے۔

اور یہ جو شارح مواقف نے بیان کیا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ مقصود شارع علیہ السّلام کا صلاح معاش و معاد خلق ہے جس کا فائدہ اُنہیں کی طرف عائد ہوتا ہے پس یہ استدلال اسلئے باطل ہے کہ یہ قول باوجودیکہ اُسکے مقصود پر دلالت نہیں کرتا ہے اس میں اس بات کا اعتراف ہے کہ افعال باری تعالیٰ مُعلّل بالاغراض ہیں کیونکہ مقصود حق سبحانہ تعالیٰ اُس کے فعل کا موجب نہیں ہوتا ہے یہ ایک صریح مکابرہ ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ او۔

اُن امور سے جن کو ہمنے بہ تفصیل بیان کیا یہ امر محقق ہوگیا ہے کہ مرتبہ امامت خلافت نبوت اور قائم مقام درجۂ نبوت ہے جیساکہ اس کی طرف جناب مصنف رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے اور جب یہ امر مسلم ہے تو جسقدر دلائل و براہین وجوب نبوت کے حکمت خدا میں ہمنے بیان کئے ہیں وہی بعینہ وجوب امامت پر حکمت خدا میں دلیل ہونگے کیونکہ منصب امامت منصب نبوت کے مثل ہے اور نبوت و امامت میں کوئی فرق نہیں ہے بجز اسکے کہ نبوت میں القاء وحی الٰہی بلا واسطہ ہوتا ہے اور اسی طرح کلام ہے اُن شرائط میں کہ جو معتبر ہیں ہمارے نزدیک نبی میں۔

اور ابن روزبہان نے امام کیلئے جو شرط اجتہاد کا ذکر کیا ہے پس یہ دلیل مردود ہے اس طور پر کہ مرتبہ امام درجۂ اجتہاد سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے جس طرح سے کہ مرتبہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتبہ اجتہاد سے بلند و برتر ہے جیساکہ آئندہ مباحث اصول فقہ میں وہ دلائل مذکور ہوں گے جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں اور انہیں دلائل میں سے یہ امر ہے کہ اجتہاد کبھی خطا کرتا ہے اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطا کا واقع ہونا ہمارے نزدیک محال ہے کیونکہ آنحضرت صلعم کی عصمت ثابت ہے جیساکہ اس کا بیان سابقاً گذرا اور اسی طرح ہوگا امام کہ جو قائم مقام رسول صلعم ہے یعنی امام سے بھی صدور خطا محال ہے اور اس کا بیان بھی اوپر مذکور ہوا ہے۔ اور اس لئے بھی صدور خطا امام سے محال ہے کہ وہ اگرچہ موید بالوحی نہیں ہے لیکن اُس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے[۱] لیکن اہل سنت کا امام کے لئے یہ شرط کرنا کہ وہ بصیر

---

[۱] اہل سنت کے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ اولیا خدا لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے ہیں چنانچہ شیخ صفافیری نے یہ کہا ہے کہ لایکون الولیّ ولیاً حتی تری ما فی اللّوح المحفوظ یعنی ولی ولی نہیں ہوسکتا جب تک کہ مطالعہ لوح محفوظ کا نہ کرے دیکھو مقالید الاسانید ابومہدی عیسیٰ بن محمد الثعالبی احوال ابن حجر عسقلانی ۱۲ مترجم

بہ تدبیر حرب ہو پس یہ شرط شرائط عصمت سے ہے اسلئے کہ معصوم مؤید بالعقل ہے بداہتہً اور بصارت کا ضروری ہونا ضروریات دین سے ہے اور اسی طرح سے شرط شجاعت ہے اور شاید کہ ابن روزبہان نے جب کہ یہ دیکھا کہ دعویٰ شجاعت کا ابوبکر و عمر و عثمان سے مشکل ہے اس لئے کہ وہ بارہا غزوات سے فراری ہوئے ہیں اور بہت دور نکل گئے ہیں اس لئے اپنے قول کے آخر میں شرائط امام میں قوی القلب ہونا بیان کیا ہے تاکہ جب کوئی شخص اسپر بوقت دعویٰ شجاعت اصحاب ثلثہ اعتراض کرے تو اسکو اس امر کی طرف فرار ممکن ہو اور قوت قلب کو بطریق قیاس علیٰ یا مثل اسکے جیسے کوئی تاریکی میں تیراندازی کرے اس طرح بیان کرتا ہے کہ قوت قلب جو منشار شجاعت ہے اور ایک امر غیبی ہے کہ جس کو بجز خدا کے دوسرا نہیں جانتا ہے وہ اصحاب ثلثہ کے لئے حاصل تھی اگرچہ اس قوت قلب کے آثار و لوازم اُن میں ظاہر نہ تھے حالانکہ یہ تقریر باطل ہے لیکن امام کے لئے عدالت کا شرط ہونا پس امام کو بے پرواکرتی ہے وہ شے جس کی ہم نے امام میں شرط کی ہے یعنی عصمت اُس شے سے کہ جو کمتر ہے مرتبہ میں یعنی عدالت اور یہ جو بیان کیا ہے کہ امام کے لئے عدالت و عدم ظلم و جور شرط ہے تو اس استدلال میں جو اعتراض ہے وہ مخفی نہیں ہے اس لئے کہ دلیل اسکی مدعا سے خاص تر ہے (یعنی مال کا اغراض نفسانیہ میں صرف کرنا ہی سبب اشراط عدالت کا نہیں ہے بلکہ امام کا تمام نقائص و گناہوں سے بری ہونا لازم ہے۔

اور امام کے آزاد ہونے کی شرط پس اُس میں کسی کو کلام نہیں ہے اور قرشی ہونے کی بھی شرط درست نہیں ہے لیکن ہمارے ائمہ اثنا عشر قرشی ہیں اور پھر بنی ہاشم ہیں اور پھر بنی عبد المطلب ہیں اور پھر آل نبی صلوات اللہ علیہ وآلہ بھی ہیں۔

دوسرے ابن روزبہان کا یہ قول کہ استدلال کیا ہے علامہ حلی نے کہ حاجت امام کی طرف ان امور میں ہے اُسکے آخر قول تک معہ اعتراض و تردید کے باطل ہے۔
اولاً اس لئے کہ جو کچھ اُس نے بیان کیا ہے منع لزوم سے وہ منع ہے اُس دعوی کا جس پر

دلیل قائم ہو چکی ہے پس یہ منع قانون مناظرہ سے خارج ہوگا۔
اور ثانیاً اُس کا قول اس وجہ سے باطل ہے کہ ہم اولاً پہلی شق کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس منع کو اس نے ذکر کیا ہے اُسکے لزوم کو ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں لیکن منع کرنا واسطے وجوب اجتناب صغائر سے جیسا کہ اُس کا قول اس پر دلیل ہے کہ صدور بعض صغائر کا معفو ہے آخر قول تک یا منع کرنا واسطے وجوب اجتناب کے کل احوال میں بھی اور رد دوسری شق کا بطلان ظاہر ہے کیونکہ انسان کے احوال میں سے کبھی حالت کہولت ہے کبھی کم سنی اور کبھی سفر و حضر ہے کبھی حالت قیام و قعود ہے اور کبھی وہ حالت رکوب میں ہے (یعنی سوار ہے) اور کبھی پیادہ۔
اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ مظلوم و ظالم کے درمیان میں انصاف نہ کر سکنا بعض حالات میں فائدہ امامت کے مخل ہوگا اور اسی طرح شق اول بھی باطل ہے کیونکہ کلام و بحث صدور صغائر میں نہیں ہے اور نہ اس میں کہ صغائر سے انصاف نہو سکتا ہو بلکہ کلام ہے صدور صغائر و کبائر میں امام سے اور صدور صغائر و کبائر ضرور مستلزم ہے کہ وہ خطا کرے اور انصاف نہ کرے پس وہ محتاج ہوگا ایک دوسرے امام کا اور اس طرح تسلسل لازم آئے گا حاصل کلام یہ ہے کہ غرض نصب امام سے یہ ہوگی کہ وہی امام مکلفین کو خطا و عصیان سے دور رکھے اور طاعت رضوان الٰہی سے قریب کرے پس اگر یہ امام بھی ایسا ہوگا کہ اُس سے خطا جائز ہوگی تو یہ ایک دوسرے امام کا محتاج ہوگا اور اگر یہ دوسرا امام بھی معصوم نہوا تو تیسرے امام کی طرف احتیاج ہوگی اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہیگا پس اگر ان مراتب میں سے کسی مرتبہ کا امام معصوم نہو تو تسلسل لازم آئے گا اور بتحقیق کہ یہ دلیل مشابہ ہے دلیل وجوب انتہاء ممکنات سے طرف وجود واجب کے تاکہ تسلسل دفع ہو جائے جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے اور شاید کہ مخالف مکابرہ کریگا اور کہے گا کہ نصب امام سے وہ غرض نہیں ہے جو تم نے بیان کی ہے کہ طاعت الٰہی سے بندوں کو قریب کرے اور خطا و عصیان سے اُن کو دور رکھے بلکہ غرض نصب امام سے

اہل اسلام کی حفاظت ہے اور ترتیب امور اس طریقہ پر کہ وہ منتہی طرف کسی فتنہ وفساد کے نہ ہونے پائے اور خلائق کے احوال میں اختلال پیدا نہو۔

اور ابن روزبہان کے قول میں اس کا اشارہ بھی موجود ہے اور دفع اس قول کا ظاہر ہے کیونکہ نظم ونسق امور ایسے طریقہ پر کہ جو مخالف شریعت ہوں یہ مقصود شارع علیہ السلام کا نہیں ہے پس واجب ہوگا کہ امام معصوم ہو والّا انتظام امور وجہ شرعی سے نہو سکے گا پس وہ امام محتاج ہوگا ایک دوسرے کا کہ جس سے نظم امور مطابق شریعت حاصل ہوں اور اسی طرح تسلسل لازم آئے گا۔

تیسرے یہ کہ ہم اختیار کرتے ہیں شق ثانی (یعنی وجود ملکہ کو امام کے لئے) اور کہتے ہیں کہ اکثر اس چیز کا کہ جسکو ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے احکام ملکہ سے وہ باطل ہے جس کو اس نے اپنے نفس سے اختراع کیا ہے خاص کر یہ امر جو اس نے ذکر کیا ہے کہ امام سے صدور بعض صغائر کا بعض اوقات میں ملکہ عصمت کو باطل نہیں کرتا ہے پس یہ ایک دعویٰ باطل و کاذب ہے۔ اور اس نے اس امر سے جو استدلال کیا ہے کہ ملکہ ایک کیفیت راسخہ ہے نفس میں کہ جب ارادہ کیا جاتا ہے صدور فعل کا تو فعل صادر ہوتا ہے اسکے سبب سے بلا مشقت تا آخر کلام ابن روزبہان پس یہ پہلے سے بھی زیادہ جھوٹا دعویٰ ہے اور جو کچھ کہ کتب متداولہ میں تعریف ملکہ مذکور ہے اس میں قید دوام وضبط ضروری ہے۔

علامہ دوّانی اپنے رسالہ فارسیہ مشہورہ میں کہ جو تحقیق معنی عدالت میں اُنھوں نے لکھا ہے یہ بیان کرتے ہیں کہ جب نفس حکمت وعفت وشجاعت ان تینوں ملکوں کا عادی ہوجاتا ہے اس حیثیت سے کہ ہمیشہ اُس کے افعال ایک قانون مستحکم اور طریق مقرر پر صادر ہوتے ہیں اور یہ افعال بلا تکلف اور بلا کوشش جدید اسی طرز پر قائم رہتے ہیں تو یہی ملکہ عدالت ہے۔ انتہیٰ

اور ابن حاجب نے اپنی کتاب مختصر میں اور علاوہ ان کے اوروں نے اپنی دیگر

کتب میں عدالت کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ وہ ایک کیفیت راسخہ ہے کہ جو متصف بالعدالت کے لئے باعث ہوتی ہے ملازمت تقویٰ و مروت پر اور کسی چیز کا راسخ ہو جانا اور کسی عادت کا لزوم یہ دونوں مقتضی دوام اور عدم تخلف کے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ بلکہ وہ امر جو ابن روزبہان نے اسکے قبل مسئلہ عصمت انبیاء کی شرح میں قول اشاعرہ کو نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم انبیاء میں گناہ کو نہیں خلق کرتا یہ قول بھی مقتضی دوام و لزوم کو ہے اور بلکہ جو کچھ اُس نے تعریف حکماء کی اس مقام میں نقل کی ہے وہ بھی یہاں اسی دوام و لزوم کی مقتضی ہے پس جو کچھ اُس نے ذکر کیا ہے کہ صدور اُس امر کا جو خلاف مقتضائے ملکہ راسخہ ہو وہ وجود ملکہ کی نفی نہیں کرتا ہے پس یہ بیان ایک مقدمہ فاسدہ ہے کہ جو عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے ہاں ممکن ہے وقوع خلاف ملکہ عدالت کا ظاہراً واسطے کسی عارض کے مثل اس کے کہ کوئی شخص جبراً اُس صاحب ملکہ کی حلق میں شراب ڈال دے یا صاحب ملکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں سے بچانے کے لئے کلام غیر واقع کہے کیونکہ ایسی حالت میں ارتکاب ایسے کلام کا جائز ہوگا اور بتحقیق کہ شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو پس اُس کو چاہئے کہ اُن میں سے سہل کو اختیار کرے اور چونکہ ان دونوں صورتوں میں جو ابھی مذکور ہوئی ہیں اور ان کے مثل میں کوئی مخالفت شرعی نہیں ہے پس اُن کا بجا لانا قادح ملکۂ عدالت نہ ہوگا۔

اور اسی باب سے وہ امر ہے جو حالت تقیہ میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے لیکن تیسرا امر یعنی یہ کہ اہلسنت کے نزدیک امامت فساق وغیرہ جائز ہے اس انکار اُس امر کا جس کی نسبت مصنف علیہ الرحمہ نے اہلسنت کی طرف فرمائی ہے کہ وہ امامت فساق و سراق کو تجویز کرتے ہیں یہ ایک حیلہ ہے کہ جس کی اصلاح فساد ابن روزبہان کے اسلاف بھی نہیں کر سکے چنانچہ اسفرائنی شافعی نے اپنی تصنیف ینابیع کی کتاب جنایات میں بیان کیا ہے کہ امامت منعقد ہو جاتی ہے بیعت سے

علماء اور رؤسا اہل حل و عقد کے اور اُن لوگوں کی بیعت سے جن کا حاضر ہونا ممکن ہو اور وہ لوگ موصوف بصفات شہود ہوں (یعنی جو صفت گواہ کے لئے ضروری ہے مثل سچائی اور عدالت کے) جیسے کہ امامت ابوبکر صدیق کی ایسے لوگوں کی بیعت سے منعقد ہو گئی اور خلیفہ قرار دینے سے اُس شخص کے جو قبل ہو اُسی امام کے جیسے خلافت عمر فاروق کی یا ماقبل امام کے شوریٰ قرار دینا جیسے امامت عثمان کی یا قہر و استیلا سے اگرچہ وہ والی ہونے والا فاسق ہو یا جاہل یا عجمی ہو منتہی ہوا قول اسفرائنی شافعی کا۔

اور شارح عقاید نسفیہ نے بیان کیا ہے کہ امام زمانہ فسق و جور سے معزول نہیں ہوتا ہے کیونکہ بعد خلفاء ثلثہ کے جسقدر خلفا و امرا گزرے ہیں اُن سے فسق ظاہر ہوا اور جور پھیلا ہے۔ اور باوصف ظہور فسق و جور لوگ اُن ائمہ کی اطاعت کرتے تھے اور اُن کی اجازت سے جمعہ و اعیاد قائم کرتے تھے ختم ہوا قول شارح عقائد کا۔

اور شارح وقایہ نے فقہ حنفیہ میں یہ بیان کیا ہے کہ امام پر بسبب شرب خمر کے حد نہیں جاری ہوتی ہے کیونکہ وہ امام نائب ہے خدا کی طرف سے انتہی قول شارح الوقایہ۔

اور یہ خرافات دلائل صرف اسلئے تجویز کئے گئے ہیں تاکہ اہلسنت کے لئے امامت معویہ و یزید اور مثل ان دونوں کے اوروں کی امامت صحیح طور سے تجویز ہو سکے اور جو شخص علماء اہلسنت سے اس امر کا قائل ہوا ہے کہ امام کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اہل عدالت سے ہو پس اسمیں ظاہر یہ ہے کہ یہ شرط استحسانی ہے اُسکے نزدیک نہ یہ کہ عدالت امام کے لئے شرط لازم ہو

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

دوسری بحث اس امر کے بیان میں ہے کہ امام کے لئے واجب ہے کہ اپنی رعایا سے افضل ہو پس فرقہ امامیہ نے تو اس بات پر اتفاق کیا ہے اور جمہور نے اس سے مخالفت

گئی ہے اور مفضول کے فاضل پر تقدیم دینے کو جائز سمجھا ہے حالانکہ تقدیم مفضول علی الفاضل مقتضائے عقل اور نص قرآن مجید دونوں کے خلاف ہے اسلئے کہ عقل کے نزدیک تعظیم مفضول اور اہانت فاضل امر قبیح ہے۔

اور قرآن اس امر کے انکار کرنے پر نص کرتا ہے قول باری تعالیٰ سے کہ ارشاد فرمایا ہے افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امّن لا یھِدّی الّاان یّھدی فما لکم کیف تحکمون یعنی آیا وہ شخص قابل اتباع ہے کہ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے یا وہ جو کہ مہتدی نہیں ہوتا بغیر اس کے کہ کوئی اُس کی ہدایت کرے پس کیونکر تم ایسے امر میں حکم کرتے ہو۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکرا ولوا الالباب یعنی برابر نہیں ہیں وہ لوگ جو علم کے جاننے والے ہیں اور وہ جو علم سے بے بہرہ ہیں اور اس بات کو صاحبان عقل جانتے ہیں نہ غیر۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ انقیاد و اطاعت کرے جو بڑا عالم اور زاہد اور حسب ونسب میں زیادہ شریف ہو اُس کی جو علم و زہد و حسب ونسب میں اُس سے کمتر ہو منتہی ہوا کلام جناب مصنف کا۔

قول ابن روزبہان

امام کے افضل رعیت ہونے سے اگر یہ مراد ہے کہ وہ حسب ونسب میں زیادہ شریف ہو اور معروف تر ہو اور بڑا شجاع ہو اور بڑا عالم ہو پس اس کا وجوب عقلاً لازم نہیں ہے اگر قول وجوب عقلی کے قائل بھی ہوں کیونکہ عقل صریح حکم کرتی ہے کہ مدار امامت کا حفاظت حوزہ اسلام پر ہے اور ریاست و طریق معاشرت رعایا کے جاننے پر موقوف ہے اس حیثیت سے کہ نہ تو وہ ایسا سخت و درشت ہو کہ لوگ اُس سے نفرت کریں اور نہ ایسا نرم

وضعیف ہو کہ رعایا اُسپر مسلط ہو جائے اور یہ کہ وہ امام حمایت کرنیوالا ہو اسلام کا اور
علم اُس کے لئے اسقدر کافی ہے کہ جس کی قوم نے شرط کی ہے کہ وہ مجتہد ہو۔
اور اسی طرح شجاع ہونا اور حسب نسب میں قرشی ہونا اور اگر رعایا میں کوئی شخص
ایسا پایا جائے کہ وہ ان تمام خصائل میں پورا ہو لیکن امام کا مثل حفاظت حوزہ اسلام
میں نہو پس عقل حکم کرتی ہے کہ جو حفظ حوزۂ اسلام کرنیوالا عالم ہے وہی اولی بالامامۃ ہوگا
اور بہت سے مفضولین فاضلین سے زیادہ قابل امامت کے ہوتے ہیں کیونکہ ہر امر کے
والی ہونے میں اور اُس کے ساتھ قیام کرنے میں یہ بات معتبر ہے کہ وہ شخص اُس امر کے محل
مصالح و مفاسد کو جانتا ہو اور اُسکے لوازم کے ساتھ قیام کی قوت رکھتا ہو اور اکثر مفضول
علم و عمل میں ایسے ہیں کہ زعامت و ریاست کے ساتھ زیادہ تر عارف ہیں اور اُسکے شرائط
کے ساتھ زیادہ قیام کرنے والے ہیں اور اُسکے بار اٹھانے پر زیادہ قادر ہیں۔
اگر مصنف نے افضل رعایا ہونے سے یہ مراد لی ہے کہ وہ امام خدا کے نزدیک ثواب
میں زیادہ ہو پس یہ امر ایسا ہے کہ اُس کی ذات کے لئے باعث شرف وسعادت ہے
اور زعامت و ریاست سے اس شرف کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور اگر مصنف نے افضل رعایا
ہونے سے اصلح للامامۃ کا ارادہ کیا ہے بسبب اُسکے عالم ہونے حفظ حوزہ اسلام اور تدبیر مملکت سے
پس ہمیں کچھ شک نہیں ہے کہ ایسا شخص سب سے اولیٰ ہے لیکن نہ واجب ہوگی تقدیم اسی
شخص کی جبکہ حاصل ہو جائے حفظ حوزہ کا اُس سے کمتر شخص سے بلکہ اولی و انسب تقدیم
اسی شخص کی ہے جبکہ مفضول کے لئے عقد بیعت سابق نہ ہوئی ہو اگر ایسے شخص کی بیعت
سابق ہو چکی ہو اور اُس شخص کے بدل دینے میں گمان فتنہ کا ہو تو اس کا تغیر جائز نہیں ہے۔
یہ جواب ہے اُس چیز کا جس سے استدلال کیا ہے مصنف نے اس امر پر لزوم
قبح عقلی کی روسے حالانکہ ہم اُس کے قائل نہیں ہیں اور مصنف یعنی جناب علامہ
حلی علیہ الرحمہ نے امام کے افضل رعیت ہونے میں جو استدلال آیت قرآنی سے

کیا ہے پس وہ آیت دلالت کرتی ہے عالم و جاہل کے برابر نہونے اور ہادی اور مضل اور مہتدی و ضال کے عدم مساوات پر اور یہ امر مسلم ہے پس یہ فاضل جو کہ امام نہو اور مفضول امام ہو جائے اُس امام مفضول پر بسبب علم و شرف کے فاضل رہے گا لیکن جب مفضول کہ جو مصالح حفاظت اسلام اور امامت کے لئے اہل اور زیادہ لائق تر ہو پس وہی امامت کے واسطے زیادہ حقدار ہوگا اور فاضل اپنے فضل و شرف پر باقی رہیگا۔ اور اس میں کوئی محذور شرعی نہیں ہے۔

اور اشاعرہ میں سے بعض نے اس مسئلہ میں تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ نصب کرنا شخص افضل کا اگر موجب فتنہ ہو واجب نہیں ہے جیسا کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ لشکر و رعایا شخص فاضل کی اطاعت نہ کرینگے بلکہ مفضول کے مطیع ہونگے اور اگر ایسا ہو یعنی شخص فاضل کا منصوب کرنا موجب فساد نہو تو اس کا نصب کرنا واجب ہوگا۔ منتہی ہوا قول ابن روزبہان کا۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

مراد مصنف کی یہ ہے کہ امام اپنی رعایا سے تمام اوصاف حمیدہ و اخلاق پسندیدہ میں فضل و اکمل ہو مثل علم و زہد و بزرگی و شجاعت و عفت وغیرہ کے اور واجب ہے کہ امام رعایا سے نسب میں شریف تر ہو اور درجہ میں بلند ہو اور خلقت و خلق میں اکمل ہو جس طرح کہ یہ صفات نبیؐ کے لئے اپنی امت کی بہ نسبت واجب ہیں اور یہ حکم اکثر عقلا کے نزدیک متفق علیہ ہے مگر اہلسنت نے اکثر ان صفات میں اختلاف کیا ہے مثل اس کے کہ اعلمیت و اشجعیت و افضلیت کو امام کے لئے ضروری نہیں جانتے ہیں کیونکہ ابوبکر میں یہ صفات موجود نہ تھے حالانکہ اُن کو عمر و ابوعبیدہ نے امام نصب کر دیا تھا اور اسی طرح عمر میں بھی صفات مذکورہ موجود نہیں تھے حالانکہ عمر کو ابوبکر نے خلافت کے لئے منصوب کیا تھا اور اہلسنت یہ نہیں سمجھے ہیں کہ اس طرح کا امام بنا لینا جو واقع ہوا وہ ایک فریب تھا کہ جو جاہ خلافت کی محبت اور امام

اصلی کی عداوت میں کیا گیا تھا جیسا کہ قول طلحہ سے ظاہر ہوتا ہے جو اُس نے اُس وقت عمر سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ جب ابو بکر نے عمر کے لئے وصیت لکھدی تھی کہ والی کیا تھا تو نے اُس کو کل اور اُس نے والی کیا تجکو آج علاوہ اسکے اور بہت سے حیلے اور مکائد ہیں جن کو یہ لوگ اہلبیت علیہم السّلام سے غصب خلافت میں لائے ہیں اور اسی طرح ایک فرقہ معتزلہ کا کہ جن میں سے عبد الحمید بن ابی الحدید مدائنی ہے وہ اس کا قائل ہے کہ تقدیم مفضول کی فاضل پر کسی مصلحت کے لئے جائز ہے اور اسکے قائل ہوئے ہیں کہ علی علیہ السّلام ابو بکر سے افضل تھے لیکن اُن پر ابو بکر کی تقدیم بمصلحت جائز تھی اور یہ قول کسی طرح مقبول نہیں ہے کیونکہ لطف خداوند عالم سے کہ جو لطیف خبیر ہے یہ امر قبیح ہے کہ مفضول کو جو محتاج تکمیل ہے مقدم کرے اُس فاضل پر کہ جو کامل ہے نہ عقلاً یہ امر صحیح ہے نہ ازروے نقل کے جیسا کہ اس کا بیان نبوت کی بحث میں گذرا ہے اور منشاء اشتباہ اُن کا اس تجویز میں یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقدم کیا عمرو بن العاص کو ابو بکر و عمر پر اور اسی طرح اسامہ بن زید کو ان دونوں پر مقدم کیا حالانکہ یہ دونوں اُن دونوں سے بہتر تھے۔

اور جواب اس کا یہ ہے کہ اوّل تو ہم شیخین کی افضلیت اُن دونوں پر تسلیم نہیں کرتے دوسرے یہ کہ اس افضلیت کا توہم ان دونوں (یعنی شیخین کے لئے) اُس وقت ہوا ہے کہ جب وہ خلافت غصب کر چکے ہیں۔

اور عمرو بن عاص و اسامہ بن زید کو اسلئے شیخین پر تقدیم دی گئی کہ وہ دونوں شیخین سے اعلم تھے صرف امر حرب میں جیسا کہ اس پر اخبار و آثار دلالت کرتے ہیں اور یہ جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے وہ اُس وقت کے لئے ہے جب ہم تقدیم و تاخیر کو باختیار خدا قرار دیں اور اگر اُسکو ہم امت کے اختیار میں قرار دیں جیسا کہ یہ مذہب جمہور اہلسنت کا ہے تو اُس صورت میں بھی تقدیم مفضول نامقبول ہے اسلئے کہ عقلا کے نزدیک یہ امر بھی قبیح

ہے کہ ایک مفضول جو فقہ میں بتدی ہو ابن عباس پر مقدم کیا جائے اور یہ بات بالکل واضح ہے ہر عاقل کے نزدیک اور اس کا مخالف مکابرہ کرنیوالا ہے۔

اور عجائب امور سے یہ ہے کہ ابن ابی الحدید نے اس تقدیم کرنے کو جس کا وہ قائل ہوا ہے خدا کی طرف منسوب کیا ہے پس شرح نہج البلاغہ کے خطبہ میں بیان کیا ہے کہ خدا نے مفضول کو فاضل پر تقدیم کی ہے واسطے اُس مصلحت کے جس کے لئے تکلیف مقتضی تھی اور یہ قول انتہائے سخافت کو پہونچا ہوا ہے اسلئے کہ ابن ابی الحدید نے اس امر کو کہ عقلاً قبیح تھا خدائے تعالیٰ کی طرف نسبت دی ہے باوصف اسکے کہ وہ عدلی المذہب ہے پس اُس نے اپنے اس کلام سے اپنے مذہب کی مخالفت کی ہے اور اسی وجہ سے اُس نے اُن شکایات کو جو جناب امیرالمومنین علیہ السّلام نے ظلم صحابہ کے اپنے خطبہ شقشقیہ میں فرمائی ہیں اسی امر پر حمل کیا ہے اور یہ بات کہ شکایت آنحضرتؐ کو صرف اسی امر پر ہے کہ تقدیم مفضول کی فاضل پر ہوئی اس کی کوئی وجہ نہیں ہے سوائے جناب امیرالمومنین علیہ السّلام پر ظلم کی (کیونکہ آنحضرتؐ نے تقدیم مفضول علی الفاضل کے سبب سے شکایات نہیں فرمائی ہیں بلکہ وہ جناب خلفاء کو کسی حیثیت سے مستحق خلافت نہیں سمجھتے تھے اور اُن کو بانواع ظلم ظالم جانتے تھے) پس اگر یہ تسلیم کریں کہ یہ تقدیم مفضول علی الفاضل خدا کی طرف سے تھی تو اسپر جناب امیرالمومنین علیہ السّلام کا شکایت کرنا مطلقاً صحیح نہ ہوگا کیونکہ ایسی حالت میں یہ شکایت آپکی خدا کے فعل کی رد ہوگی اور خدا پر معاذاللہ رد کرنا حد کفر تک پہونچتا ہے اور اگر یہ تقدیم خلق کی طرف سے ہے پس اگر یہ تقدیم مکلفین کی مصلحت سے ہوئی جس کو تمام خلائق جانتی ہے سوائے علی علیہ السّلام کے پس اس وقت میں آنحضرتؐ کی طرف جہل کی نسبت ہوگی اُس امر سے کہ جس کو عامہ خلق جانتی ہے اور اگر یہ تقدیم کسی مصلحت کے لئے نہ تھی بلکہ یہ تقدیم مجرد ہوائے نفس کے تھی پس شکایت : یہ

المومنین علیہ السلام کی مطابق اُس وجہ کے نہو گی جس کو ابن ابی الحدید نے گمان کیا ہے کہ ایسی حالت میں کوئی وجہ اسکے حمل کی نہیں ہے۔
پھر میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ استدلال کیا جائے عدم جواز تفضیل مفضول پر ابوبکر کے اس قول سے کہ انہوں نے کہا ہے اقیلونی اقیلونی فانی لست بخیر کم وعلیؑ فیکم "میری بات کو فسخ کرو میری بات کو فسخ کرو کیونکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں دراں حالیکہ علی علیہ السلام تم میں موجود ہیں" اور لیکن قول ابن روزبہان کا کہ صریح عقل حکم کرتی ہے کہ مدار امامت کا حفظ حوزۂ اسلام پر ہو اُس کے آخر کلام تک پس یہ مردود ہے اس طرح پر کہ اگر ہم تسلیم کریں کہ مدار امامت کا حفظ حوزۂ اسلام پر ہے مگر یہ کہ حفظ کے لئے یہ امر معتبر ہے کہ شرعی طریقہ پر ہو کہ جو خالی ہو جور و ظلم کی آمیزش سے اور یہ طریقہ ایسے شخص سے حاصل ہو جو صفت علم و زہد و فقہ و شجاعت و عفت بلکہ عصمت سے موصوف ہو جیسا کہ اس کا بیان گذرا نہ یہ کہ حفاظت حوزۂ اسلام عرفی و سیاسی طریقہ پر ہو کہ جو حاصل ہوئی ہے معاویہ باغی سے اور اُسکے بیٹے یزید و ولید اموی جبار و عنید سے کہ جس نے قرآن مجید کو ہدف بنایا اور حجاج ظالم اور دوانیقی جور و تغلب کرنیوالا اور مثل ان کے ہر شیطان کے مرید سے پس یہ لوگ اپنے زمانہ حکومت میں دفع کرتے تھے اُس فتنہ کو جو اسلام کے لئے متوہم ہوتا تھا بلکہ دفع فتنہ و فساد مخصوص اپنی سلطنت و مرتبہ کے لئے کرتے تھے ہر اُس شخص کے قتل کر ڈالنے سے جس پر اتہام لگایا جاتا تھا اور سولی دی جاتی تھی ہر اُس دشمن کہ جسکے بغض کا گمان ہوتا تھا اور اپنے قوم کے لوگوں اور اہل ہمسایہ کے گھروں کو جلا دیتے تھے اور اُن کی گردنیں ماری جاتی تھیں علاوہ اسکے اور بہت سی عقوبتیں (سزائیں) دی جاتی تھیں بغیر اسکے کہ اُن لوگوں پر کوئی گناہ بروجہ شرعی ثابت ہوتا ہو۔
بالجملہ حفاظت حوزۂ اسلام اُس طریقہ پر کہ جو مشتمل ہو انتظام ظاہری پر اور واسطے

دفع کرنے ہرج و مرج کے اور دور کرنے مظالم بعض کے بعض سے خلفاء مجازی اور شاہان جور کنندہ کی امامت سے بھی ہو سکتی ہے بلکہ شحنہ و شب گرد سپاہیوں سے بھی حفاظت ممکن ہے بلکہ بسا اوقات اس طرح کا انتظام ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں نہ کہ خلفاء حقیقی کیونکہ ظاہری خلفاء اپنی سیاسیات عرفیہ سے اکثر دفع کرتے ہیں دست درازی کو جو ایک کیلئے دوسرے کی جانب سے ہو اس طریقہ سے کہ اُن کے غیر کے وہ طریقہ میسر نہیں ہو سکتا ہے۔

لیکن وہ خود اور اُن کی اولیاء دولت ضعیف لوگوں کے ساتھ جس طرح چاہتے ہیں جور و فساد کا برتاؤ کرتے ہیں اور اگر دینِ قویم و صراطِ مستقیم کے احکام و ارکان میں کوئی خلل و کجی واقع ہوتی ہے تو اسکی درستی و اصلاح سے عاجز رہتے ہیں۔

اور چاہیئے کہ صاحب عقل سلیم اس امر میں غور کرے کہ ایام حکومت یزید علیہ اللعنۃ میں کیا کچھ تغلب ہوا اور اُسکے مظالم کی یہاں تک زیادتی ہوئی کہ امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے آیا اس واقعہ میں کوئی بات بھی حفظ حوزۂ اسلام کی ہوئی ہے۔

اسی طرح قتل کرنا یزید کا اہل مدینہ کو اور بے حرمت کرنا ہزارہا کتخدا عورتوں کا اولاد صحابہ و تابعین کرام سے کیا اس سے رعایت حقوق خلائق ہوئی اسی طرح کعبہ پر منجنیقوں کا پھینکنا اور عمارت بیت اللہ الحرام کو خراب کرنا کیا ان سب باتوں سے اختلال انتظام کا تدارک ہوا ہے یا دعوت دار السلام یعنی بہشت کی طرف ہوئی ہے۔ لیکن ابن روزبہان نے امام کے غایظ (یعنی سخت و درشت) ہونے کی جو شرط بیان کی ہے پس یہ حال امامت عمر بن الخطاب کے منافی ہے اور اُسکی یہ دونوں صفتیں صحابہ کی زبانوں پر جاری تھیں جیسا کہ اس کا بیان عنقریب آئیگا لیکن امام کے لئے علم اجتہادی کی شرط ہونا پس اسکے متعلق بھی بیان گزر چکا ہے اور عنقریب اُن خطاؤں اور بدکرداریوں کا ذکر آئے گا جو اجتہاد عمر سے صادر ہوئی ہیں کہ جن کا اُس نے اعتراف کیا ہے اپنے اس قول سے لولا علیؓ لہلک عمر اور اپنے مقولہ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال۔

(یعنی عمر بن خطاب اپنی زبان سے کہا کرتے تھے کہ سب لوگ عمر سے زیادہ فقہ جاننے والے ہیں یہاں تک پردوں میں بیٹھنے والی عورتیں بھی مجھ سے زیادہ باخبر ہیں) اور لیکن اُس نے یہ جو فرض کیا ہے اپنے قول سے کہ اگر رعایا میں کوئی شخص ان صفات کا پایا جائے اُسکے آخر قول تک پس یہ ایک فرض محال ہے کیونکہ یہ امر نہیں سمجھا جاتا کہ ایک شخص متصف بہ شرافت حسب ونسب ہو اور معروف تر ہو اور شجاع تر اور عالم تر ہو اور اُس کا غیر حفظ حوزہ اسلام کا عالم ہو اس طریقہ پر کہ جو مطابق قانون شرع ہو اور شاید کہ اہل سنت نے اہانت کا گمان کیا ہے کہ ابوبکر و عمر بانسبت مقابل جناب امیرالمومنین علیہ السّلام کے تھے حالانکہ باطل ہونا اس کا واضح ہے اسلئے کہ یہ امر مشہور ہے کہ اس نے تدبیر فتح عجم اور نشر بلاد کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ سب امیرالمومنین علیہ السّلام کے مشورہ و تدابیر سے کیا ہے ہاں البتہ وہ جناب اُن حیلہ و مکر سے اجتناب فرماتے تھے کہ جن کو اہل عصر استعمال کرنے کے عادی تھے اور وہ لوگ معاویہ کو ان صفات سے موصوف کرتے ہیں چنانچہ حکایت کی گئی ہے کہ جب امیرالمومنین علیہ السّلام کو اس بات کی خبر پہونچی کہ ایک جماعت آپکے لشکر میں یہ کہتی ہے کہ معاویہ صاحب مکر ہے اور امیرالمومنینؑ ایسے نہیں ہیں تو حضرتؑ نے اُن لوگوں سے فرمایا کہ اگر دین کا خیال نہوتا تو میں تمام عرب سے زیادہ صاحب مکر ہوتا اور اسی طرح کلام ہے شق ثانی میں اُسکی تردید سے کہ یہ امر عقلاً صحیح نہیں ہے کہ امام وہ شخص مقرر ہو کہ جو اپنے زمانہ میں ثواب میں خدا کے نزدیک زیادہ ہو اور قواعد علم امامت و ریاست کے علم سے بے بہرہ ہو اور تمام اہل زمانہ سے امر امامت میں مفضول ہو۔

اور لیکن یہ جو ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے شق ثالث میں کہ فاضل کی تقدیم واجب نہیں ہے جبکہ حوزۂ اسلام کی حفاظت اُسکے کمتر سے ہو جائے پس اس قول میں یہ بحث ہے کہ یہ عین اعتراف ہے جواز تقدیم مفضول علی الفاضل کا جسکو عقل و نقل دونوں انکار

کرتی ہیں اور جناب مصنف رحمہ اللہ نے اُسکے قائل ہونے والے کے لئے شناخت
قرار دی ہے پس ایسی حالت میں ابن روزبہان کو واجب تھا کہ اپنے نفس پر اس
طول طویل بحث کو نہ وسیع کرتا اور صاف کہدیتا کہ تفضیل مفضول جائز ہے جبکہ انتظام
ریاست مفضول سے بھی ہوسکے اور اس بحث کے مقدمات میں جو کچھ اُس نے کہا ہے
لغو اور قابل اعتراض طول نہ ہوتا علاوہ اسکے جو کچھ کہ ناصب نے اس شق میں بیان کیا ہے
وہ خلاف ہے شیخ الرئیس کی تصریح کی جو اُنھوں نے شفا میں کی ہے اور اس طرح کہا
ہے کہ بڑی بات جو قابل اعتبار ہے خلیفہ میں وہ یہ ہے کہ عقل اور حسن حکومت میں وہ
سب سے زیادہ ہو بشرطیکہ وہ دیگر شرائط سے اجنبی نہو پس اگر موجودین میں ایک
اعلم ہو اور ایک اعقل ہو تو اعلم کو لازم ہے کہ اعقل کی شرکت کرے (اعلم یعنی زیادہ تر علم
رکھنے والا اور اعقل کے معنی زیادہ عقل وفہم رکھنے والا) اور اعقل کو لازم ہے کہ اعلم سے
مدد لے اور اس کی طرف رجوع کرے جیسے عمر علی کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس کلام سے صاف
ظاہر ہے کہ جو علم سے بے بہرہ ہو اور جاہل ہو اگرچہ حسن حکومت اور عدالت کا جاننے والا نہو وہ قابل خلافت
نہیں ہے اور یہ بھی اس کلام سے ظاہر ہے کہ جو شخص سیاسیات میں زیادہ عارف ہو وہ امامت شخص اعلم
سے اولی جب ہوگا جبکہ وہ اعلم عدالت وحکومت میں اعرف بسیاست (سیاست کا
زیادہ عارف) کے مثل نہو پس اگر مان بھی لیا جائے کہ عمر زیادہ واقف تھا سیاست میں تب
بھی امیرالمومنین علیہ السلام سے اولی نہوگا خلافت کے ساتھ کیونکہ وہ جناب دونوں
امروں میں (یعنی عدالت وعلم دونوں میں) مرتبہ رفیعہ پر فائز تھے جیسا کہ خصم نے اس کا
اعتراف کیا ہے اور شیخ نے جو یہاں امیرالمومنین علیہ السلام اور عمر کا ذکر بطور مثال کے
کیا ہے اس میں ایک دقیق امر ہے جس کا مفصل ذکر ہم نے کتاب **مجالس المومنین**
میں کیا ہے اور شاید ابن روزبہان نے گمان کیا ہے کہ مضمون اس شق کا خلفا ثلثہ پر درست
ہوتا ہے اور یہ کہ اُن کو بسبب علم ریاست کے امیرالمومنین علیہ السلام پر ترجیح ہے لیکن

یہ گمان درست نہیں ہے اسلئے کہ اگر خلفا کو ریاست و حکومت کا علم ہوتا تو آنحضرت صلعم کیوں عمرو بن عاص کو ایک مرتبہ حاکم بناتے اور دوسری مرتبہ زید بن حارثہ کو اور تیسری مرتبہ اسامہ بن زید کو اور جو کچھ ان لوگوں کے زمان خلافت میں بعض انتظامات ہوئے وہ اعانت و مشورہ سے اور اصحاب کے ہوئے ہیں جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے اُس پر جس نے اخبار و آثار کا تتبع کیا ہے اور ابن روزبہان نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ یہ جواب ہے اُس چیز کا جس کے ساتھ استدلال کیا ہے مصنف نے اس مطلب پر لزوم قبح عقلی سے باوجودیکہ اس کے ہم قائل نہیں ہیں پس اس میں یہ اعتراض ہے کہ مصنف نے نہیں استدلال کیا ہے اس امر پر حسن و قبح عقلی سے معنی متنازع فیہ کے ساتھ بلکہ تمسک کیا ہے دوسرے معنی کے ساتھ جو کہ ملائمت و منافرت و نقص و کمال کے ہیں جیسا کہ ابن روزبہان نے اسکے ساتھ خود تمسک کیا ہے سابقاً انبیار علیہم السلام کے نقائص نسبی سے تنزیہ میں اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ فاضلیت و مفضولیت باب کمال و نقص و ملائمت و منافرت سے ہے کہ جسکو مستقلاً عقل ادراک کرتی ہے اور ایک کی ترجیح کو دوسرے پر حکم کرتی ہے لیکن یہ جو ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے کہ مصنف نے آیت سے استدلال کیا ہے پس وہ دلالت کرتا ہے عدم استوا عالم و جاہل اور عدم مساوات ہادی و مضل پر (مضل گمراہ کرنے والا) آخر کلام تک پس اُس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک اغماض و تجاہل ہے تتمہ آیت سے اور وہی قول خداوند عالم ہے اَمَّن لا یھدّی الا ان یھدیٰ پس یہ قول صریح ہے اس امر پر کہ وہ شخص جو محتاج ہدایت غیر کا ہو لائق اتباع نہیں ہے اور یہی جگہ ہے مصنف کے استدلال آیت سے پس جو کچھ ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے وہ سب لغو ہو گیا کہ اُس کا کوئی فائدہ نہیں ہے جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے اور اگر تسلیم کی جائے دلالت آیت کی مجرد عدم استوار عالم اور جاہل پر لیکن نفی مساوات مقتضی ہے عموم کو جیسا کہ اصول فقہ میں یہ امر مقرر ہو چکا ہے پس دلالت کریگا یہ امر نہ ہونے پر جمیع مساوات کے

اور لازم آئیگا عدم استواء جاہل کا عالم کے ساتھ امامت میں بھی اور یہی مطلوب ہے یہ
اعتراض نہیں ہو سکتا ہے کہ اصول فقہ میں یہ ہے کہ نفی مساوات اس قول باریتعالیٰ کے مثل
میں لایستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ مقتضی ہے عموم کا اور کلمہ نفی
اس میں موجود نہیں ہے کہ جس آیت کے متعلق ہم بحث کر رہے ہیں پس مطلوب
علامہ کا حاصل نہوگا کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ مراد نفی سے وہ ہے کہ جو عام ہو مفہوم
کلمہ لا سے یا اسکے ہم معنی جو لفظ ہو اور کلمہ ھل قول باری تعالیٰ میں ھل یستوی
الذین یعلمون والذین لا یعلمون وہ استفہام انکاری ہے کہ جو دلالت کرتا ہے
مبالغہ پر نفی کے چہ جائیکہ اصل نفی پر پس اس بات کو سمجھنا چاہیئے اور لیکن یہ جو
ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے کہ اشاعرہ نے اس مسئلہ امامت میں تفصیل کی
ہے کہ نصب افضل کا امامت کے لئے اگر موجب فتنہ و فساد ہو واجب نہیں
ہے پس ظاہر ہے کہ اُس نے اسکے ذکر سے اشارہ طرف جناب امیر المومنین
علیہ السلام کے کیا ہے کہ وہ جناب اگرچہ افضل و اکمل افراد تھے لیکن عساکر قریش
جو کہ صحابہ تھے اُس زمانہ میں وہ آنحضرتؐ کے مطیع نہ تھے بسبب اسکے کہ اُن کے
قلوب میں ایام جاہلیت کے کینے اور جنگ بدر کی دشمنیاں کہ جو آپ کی تلوار سے
اُن کے اسلاف و اخوان و اولاد قتل ہوئے تھے اُن کے دلوں میں موجود
تھیں۔ اور حاصل کلام کا بخصوص رجوع کرتا ہے اس امر کی طرف کہ اُن لوگوں
نے علی علیہ السلام کو خلیفہ نہیں بنایا با وصف اسکے کہ وہ جناب مستحق خلافت
تھے کیونکہ اگر وہ لوگ آنحضرتؐ کو خلیفہ بناتے تو لوگ ان جناب کے مطیع نہوتے
اور آپ کی خلافت پہ فتنہ برپا کرتے جیسا کہ بعد خلفاء ثلثہ کے جب امیر المومنین علیہ
السلام کو خلافت ہوئی تو اُن لوگوں نے فتنے برپا کئے اور اس قول کا فساد ظاہر
ہے (یعنی مستحق خلافت کو ایسے اعذار باطلہ کے سبب سے خلیفہ نکرنا باطل ہے)

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

تیسری بحث امام کے معین کرنے کے طریقہ میں ہے پس جاننا چاہیئے کہ فرقہ امامیہ اسکے قائل ہیں کہ طریقہ امام کے معین کا دو طرح سے ہو سکتا ہے۔

پہلے یہ کہ امام کے لئے خدا و رسول کی طرف سے نص (یعنی قطعی دلیل) ہو یا جس امام کی امامت ثابت ہو گئی ہو اُس امام سابق کی طرف سے اس امام لاحق پر نص ہو یا امام کے ہاتھ پر ظہور معجزات ہو کیونکہ امام کے لئے عصمت کا ہونا شرط ہے اور یہی عصمت یہ اُن امور خفیہ باطنیہ میں سے ہے جس کو سوائے خداوند عالم کے دوسرا نہیں جانتا اور اس طرح سے امام کے معین کرنے میں فرقہ اہل سنت نے مخالفت کی ہے اور بوجہ عمر بن الخطاب کی بیعت کے برضائے ابو عبیدہ و سالم غلام حذیفہ وبشر بن سعد و اسید بن الحضین ابوبکر کی اطاعت کو واجب کیا ہے تمامی خلائق پر خواہ وہ مشرق کے رہنے والے ہوں یا مغرب کے پس کیونکر درست ہوگا اُس شخص کے لئے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا ہے کہ چار آدمیوں کی بیعت کے سبب سے اُس شخص کے اتباع کو واجب سمجھے کہ جو نہ منصوص من اللہ والرسول ہو اور نہ تمامی امت نے اُسکی بیعت پر اجماع کیا ہو۔

اور حویی[1] جو علمائے اہل سنت کا ایک بڑا عالم اور عناد اہلبیت علیہم السلام میں بہت شدید ہے اور اس امر کا قائل ہوا ہے کہ امام کی امامت قبیلہ بنی ہاشم میں سے ایک شخص کی بیعت کر لینے سے منعقد ہو جاتی ہے دوسرے شخص کی بیعت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی پس آیا کوئی عاقل اس امر پر راضی ہوگا کہ اپنے نفس کو ایسے مذہب کا مطیع بنا دے اور اپنے لئے یہ امر لازم کرے کہ جس شخص کی عدالت کا حال

---

[1] چونکہ یہ شخص زمانہ بنی عباس میں تھا اس وجہ سے اس نے قبیلہ بنی ہاشم کی قید لگائی ۱۲

بھی معلوم نہو اور نہ اُس کے ایمان اور عدم ایمان کو جانتا ہو اور نہ اُس سے اس طرح
کی معاشرت رہی ہو کہ یہ اُس کے خصائل حمیدہ یا عادات رذیلہ کو جان سکے محض اس
بنا پر اُس کی بیعت کرلے کہ اس سے ایک شخص نے بیعت کی ہے جو اُس کی عدالت
کو بھی نہیں جانتا اور کسی شخص کا اس طرح سے بیعت کرلینا محض جہالت وحماقت
اور راہ راست سے گمراہی ہے خدا کی پناہ کہ انسان اپنی خواہش کی پیروی کرے
اور محبت دنیا اُس پر غالب آجائے۔

اور عجائب وغرائب امور سے یہ ہے کہ فرقہ اشاعرہ بحث کرتے ہیں امامت سے
اور اُس کے فروع سے اور فقہ سے اور اُس کی تفصیلوں سے باوصف اس بات
کے کہ اشاعرہ یہ تجویز کرتے ہیں کہ تمام خلائق اپنے افعال میں خطا کرتے ہوں اور نیز
وہ یہ تجویز کرتے ہیں کہ اگر خداوند عالم ان شریعتوں اور دینوں کے جاری کرنے
سے ارادہ اپنے بندوں کے گمراہ کرنے کا کرتا ہو پس اشاعرہ ایسی شریعتوں کی نہ تو
تصدیق کرنے والے ہیں اور نہ اُن کا گمان کریں گے پس باوصف غلبہ گمراہ کرنے
و کفر کے اور انواع عصیان کے جو معاذ اللہ خداوند عالم سے صادر ہوتے ہیں
کیونکر کوئی عاقل شریعتوں کے صحیح ہونے کا گمان یا شک کریگا بلکہ ہر عاقل ایسی
شریعتوں کے باطل ہونے کا گمان کریگا بنا بر طریقہ اُنہیں اشاعرہ کے غالب امور
پر حمل کرکے کیونکہ اصلاح عالم میں اقل قلیل ہے پھر یہ کہ اُن کی تجویز کی بنا پر یہ
ہو سکتا ہے کہ خدا ہم کو منع کردے سانس لینے سے ہوا میں باوصف اس کے
کہ ہم کو اُس کی ضرورت وحاجت ہے اور کسی طرح سے یہ امر باعث مفسدہ نہو یا
یہ کہ خدا ہم پر پانی کا پینا شدت عطش میں جو کہ جائز ہے حرام کردے اور پانی سے
کچھ اُس کو نفع نہو اور اس میں اُس کا کوئی ضرر نہو اور کوئی مفسدہ بھی نہو پھر بھی
منع کرے پس جو خدا ایسا ہو تو کیونکر حاصل ہوگا قطع اس بات کا کہ وہ خدا لطف

کرے اپنے بندوں کے ساتھ اور مصلحت قرار دے واجب کرنے میں اتباع اس امام کے۔ ختم ہوا کلام علامہ۔

قول ابن روزبہان

جان تو بتحقیق کہ انسان بمجرد امامت کی صلاحیت رکھنے کے اور جامع شرائط ہونے کے امام نہیں ہو جاتا ہے بلکہ امام ہونے کے لئے ایک دوسرے امر کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ امر یہ ہے کہ نص ہو رسول ؐ سے یا اُس امام سے جو سابق ہے اس امام سے اور یہ دو باتیں بالاجماع موجب امامت ہیں اور نیز اُس امام کا امام ہونا اہل حل و عقد کی بیعت سے ثابت ہوتا ہے نزدیک اہل سنت و جماعت کے اور فرقہ معتزلہ اور صالحیہ زیدیہ بھی اسکے قائل ہیں مگر فرقہ شیعہ میں سے امامیہ اس عقیدے کے خلاف ہیں کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ تعین امام کے لئے سوائے نص خدا اور رسول کے اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ہماری یہ دلیل ہے کہ امامت ابوبکر کی بیعت اہل حل و عقد سے ثابت ہے جیسا کہ اسکے بعد اپنے مقام پر اس کا ذکر مفصل آئے گا لیکن یہ جو علامہ حلی نے ذکر کیا ہے کہ خلافت ابوبکر صرف عمر کی بیعت اور چار آدمیوں کی رضا و رغبت سے منعقد ہو گئی یہ امر باطل ہے کیونکہ احادیث متواترہ اور اجماع امت اس دعوی کی تکذیب کرتی ہے کیونکہ خلافت ابوبکر کی یوم سقیفہ منعقد ہو گئی تھی کہ جہاں اہل حل و عقد موجود تھے اور وہی اہل حل و عقد بروز سقیفہ جماعت انصار تھے خاصکر قبیلہ خزرج اسلئے کہ مراد اہل حل و عقد سے سرداران لشکر ہیں اور وہ لوگ ہیں کہ جن کی بلا شرکت و رضامندی امر امامت و خلافت ناتمام رہتا ہے اور اُس وقت ان کے مطابق جماعت انصار ہی اہل حل و عقد میں تھی اور آیا ارباب تواریخ میں سے کسی ایک شخص کو بھی اس امر میں اختلاف ہے

کہ ابو بکر مقام سقیفہ سے علیحدہ نہیں ہوئے جب تک کہ تمامی انصار نے اُنکی بیعت نہ کر لی ہو بجز سعد بن عبادہ کے کیونکہ وہ مریض تھے اور یوم سقیفہ کے سات دن بعد وہ مر گئے پس جب خلافت ابو بکر اس طرح سے منعقد ہو گئی ہو پس کیونکر کوئی کہے گا کہ خلافت ابو بکر کی عمر کی بیعت کرنے اور صحابہ میں سے چار آدمیوں کی رضامندی ظاہر کرنے سے منعقد ہوئی اور یہ ایک افترا باطل ہے جسکی تمام تواریخ تکذیب کرتی ہیں۔

ہاں یہ بات البتہ صحیح ہے کہ ابو بکر کی بیعت کرنے میں ابتدا عمر بن الخطاب نے کی تھی اور بعد تردد و مباحثہ و اضطراب کے کل انصار نے بیعت کر لی۔

اور اگر جماعت انصار نے رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے علی علیہ السّلام کی خلافت پر کوئی نص سُنی تھی پس کیوں نہیں اُس نص کو ابو بکر پر حجت قرار دی اور کیوں انصار نے ابو بکر کی خلافت کو اس حجت سے دفع نہیں کیا۔

آیا انصار ابو بکر و عمر سے خوف کرتے تھے حالانکہ وہ لوگ اپنے اصلی وطن میں تھے اور نصب امام کے لئے کہ جو اُن کی قوم سے ہو جمع ہوئے تھے اور وہی لوگ تعداد میں ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ تھے اور اُنہوں نے بعد مباحثہ کے سقیفہ میں یہ کہا تھا کہ ایک امیر ہمارے گروہ کا بنایا جائے اور ایک امیر تمھاری جماعت کا مقرر کیا جائے پس جماعت انصار کے لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہا کہ اے ابو بکر اور اے عمر زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے کہ رسول صلعم نے بروز غدیر خم خلافت علیؑ پر نص فرمائی ہے پس تم لوگ رسول اللہ صؐ کے قول کو کیوں باطل کرتے ہو اور اُن کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے اور اقل مرتبہ اس مباحثہ کا یہی ہوتا کہ وہ لوگ اپنے نفسوں سے بیعت کو دفع کرتے حالانکہ فرقہ امامیہ میں ایک شخص نے بھی اس کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ انصار نے یوم سقیفہ اس قول کو ظاہر کیا ہو۔

پس اے گروہ عقلا اس بات میں غور و تامل کرو کہ آیا یہ ممکن ہے کہ تمام لوگوں

کے سامنے حضرت علی علیہ السّلام کی خلافت پر نص کی جائے اور وہاں انصار موجود نہ ہوں اور آیا یہ ممکن ہے کہ وہ انصار جنہوں نے خدا اور اُسکے رسول کی نصرت کی ہو اور دار ہجرت و ایمان میں جگہ حاصل کی ہو اور عرب سے عداوت اختیار کی ہو اور اشراف عرب کو قتل کیا ہو محض نصرت رسول صلعم کے واسطے وہی لوگ معارضہ و مباحثہ کے وقت ساکت رہیں اور نص کا مطلقاً ذکر نہ کیا ہو باوصف اسکے کہ عمر و ابو عبیدہ نے انصار کو اس بات سے قائل کیا ہو کہ آنحضرت صلعم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ائمہ قبیلہ قریش سے ہونگے پس جبکہ انصار اس امر کو جانتے تھے کیوں اُنہوں نے نہیں کہا کہ امامت علی علیہ السّلام کا حق ہے بنص رسول یوم غدیر خم۔ اور اگر کوئی عاقل اور منصف اس معاملہ میں تامل کریگا جس کو ہمنے بیان کیا ہو کہ یوم سقیفہ جماعت انصار ساکت رہی اور بیعت ابوبکر کے دفع کے لئے نص کو خلافت علی علیہ السّلام کے بارے میں دلیل نہیں لائے وہ شخص بہ یقین جان لے گا اور اس بات کا اقرار کریگا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی شخص کی امامت پر نص نہیں فرمائی۔

اور یہ بھی جان لے گا کہ خلافت ابوبکر اہل حل و عقد کی بیعت کرنے سے منعقد ہوئی ہے پھر اسکے بعد جو کچھ علامہ حلی نے اس امر کا ذکر کیا ہے کہ فرقہ اشاعرہ اس پر بحث کرنیکی قدرت نہیں رکھتے ہیں اور امر امامت میں اشاعرہ کی اس بحث پر تعجب کیا ہے کہ وہ قائل ہیں بتحقیق کہ خدا ہر شے کا خالق ہے پس یہ ایک ایسی بات ہے جسکو علامہ نے بارہا ذکر کیا ہے اور اُن کو سوائے اسکے اور بنا بر لئے فاسد محال تصویرین سامنے لانے کے اور کچھ معلوم نہیں ہے۔

اور بتحقیق کہ ہمنے تیرے لئے ظاہر کر دیا ہے وہ کہ جس کو علامہ حلی نے ذکر کیا ہو اُس میں سے کوئی چیز اشاعرہ پر لازم نہیں ہے۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ اس قول میں بہت سی باتیں جہل کی ہیں اور بہت سی قسمیں تکلف جاہل بننے کی ہیں لیکن

پہلے یہ کہ یہ اُس کا کہنا بجا نہیں ہے کہ کوئی شخص بمجرد صلاحیت رکھنے امامت کے اور اُسکے شرائط جمع ہونے کے امام نہیں ہوتا پس تحقیق کہ یہ مقدمہ اُسکے اثبات مطلوب میں کچھ مفید نہیں کیونکہ صرف شرائط کا جمع ہوجانا کسی شخص کے لئے اگرچہ موجب امامت ہو لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کوئی شخص منصوص من اللہ امام ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اُس میں امامت کے شرائط جمع نہوں اور بحث اس امر میں ہے کہ آیا سوائے علی علیہ السلام کے اور کوئی شرائط امامت کا جامع تھا یا نہیں پس اسکو سمجھنا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ مصنف کے اس قول کو کہ امامت ابوبکر کی منعقد ہوئی ہے بیعت عمر اور صرف چار آدمیوں کی رضامندی سے اسکو باطل سمجھنا جہل ہے یا تکلف جاہل بننا ہے اسلئے کہ یہ امر حق ہے جو جاری ہوا ہے اُن کے اصحاب کی زبان پر اور وہی صاحب مواقف و شارح مواقف ہیں چنانچہ اُس میں مرقوم ہے جبکہ یہ امر ثابت ہوا ہے کہ امامت کا حصول انتخاب اور بیعت سے ہے پس جاننا چاہیئے کہ یہ حصول امامت کل اہل حل و عقد کے اجماع کا محتاج نہیں ہے بلکہ اس احتیاج پر کوئی دلیل عقلی یا سمعی قائم نہیں ہوئی ہے بلکہ ایک یا دو آدمیوں کا اہل حل و عقد میں سے بیعت کرلینا ثبوت امامت و وجوب اتباع امام کل اسلام پر کافی ہے۔

اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ہمکو معلوم ہے کہ صحابہ باوصف اسکے کہ دین میں بہت سخت تھے اور حفاظت امور شرعیہ پر نہایت شدید تھے کما حقہٗ اُنہوں نے

امامت کے منعقد ہونے میں اسی پر اکتفا کی کہ ایک یا دو بیعت کرلیں جیسا کہ عمر نے ابوبکر کے لئے امامت کو منعقد کر دیا اور عبدالرحمٰن بن عوف نے عثمان کے لئے امامت وخلافت کو منعقد کر دیا اور اس امامت کے منعقد کرنے میں تمام اہل حل وعقد مدینہ کا اجتماع کو بھی شرط نہیں سمجھا چہ جائیکہ اسکی شرط کی جاتی کہ امت کے کل علماء ومجتہدین کا اجماع ہوجاتا جو تمام شہروں میں نہ تھے یہ واقعہ گذرا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا اور نہ اس بات پر انکار کیا کہ ایک یا دو اہل حل وعقد کی بیعت پر کیوں اکتفا کی گئی اور اس وقت سے اس وقت تک کے تمام زمانے اسی بنا پر ختم ہو گئے ختم ہوا قول صاحب مواقف وشارح مواقف کا۔

اور نہایت عجب ہے کہ ابن روزبہان نے اپنی کتاب کی اس قسم میں جو کچھ لکھا ہے اکثر اُس کا مواقف اور اُسکے شارح سے اخذ کیا ہے اور جس عبارت کو ہم نے نقل کیا ہے اُس تک اُسکی نظر نہیں پہونچی ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں اس تقدیر پر کہ اہل بیعت بہت سے لوگ ہوں مگر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ وہ لوگ تابع ہوں گے حکومت شرع کے اپنے باب میں اور اُن کو کوئی تصرف دوسروں کے باب میں نہو اگرچہ وہ غیر احاد امت میں ہوں اور کسی جہم میں اپنی مہمات دین سے اُن کو تصرف حاصل نہوں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ والی وحاکم کرسکیں کسی شخص غیر کو نفوس خلائق خواہ اپنے گروہ میں سے یا غیروں میں اسلئے کہ جو شخص اقل امور میں تصرف نہ کرسکے ادنائے اشخاص کے لئے پس کیونکر اُسکے لئے یہ قدرت ہوگی کہ وہ شخص غیر کو تمام اہل مشرق ومغرب کے نفوس اور اُن کی جانوں اور مالوں پر حاکم ومتصرف بنائے علاوہ اسکے ادّعا کرنا اُس کا متواتر نقلوں کا اپنے دعوئ باطلہ مذکورہ پر منافی ہے اُس قول کے جسکو وہ آیندہ ذکر کریگا بمقام ذکر مناقب علی علیہ السلام کہ کوئی حدیث متواتر عالم میں نہیں ہے بجز ایک حدیث کے۔

تیسرے یہ ہے کہ یہ اُس کا کہنا کہ بروز سقیفہ اہل حل وعقد جماعت انصار ہی تھی یہ امر بظاہر دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ عمر و ابو عبیدہ کہ جو عمدہ ترین اہل بیعت سے تھے وہ زمرہ اہل حل وعقد سے خارج تھے اور رتبہ اجتہاد سے متصف نہیں تھے اور یہ امر ان دونوں کی جلالت قدر جو ان کے نزدیک ہے اُسکی تحقیر کرتا ہے جیسا کہ یہ امر پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے۔

اسکے بعد ابن روزبہان کا اس حصر پر استدلال کرنا اپنے اُس قول سے کہ مراد اہل حل وعقد سے امراء لشکر ہیں کہ جن کے بلا مشورہ امر ناتمام رہتا ہے پس یہ استدلال ابن روزبہان کا دو طرح سے مردود ہے۔

ایک یہ کہ تفسیر اہل حل وعقد کی امراء لشکر کے ساتھ یہ ایک ایجاد ناصب کی ہے کہ جس کا ذکر اُسکے علماء کی کتب میں کہیں نہیں پایا جاتا ہے۔

اور ہر آئینہ وہ امر کہ جسکی تصریح ابن حاجب نے اپنی مختصر میں اور عضد الایجی نے اُسکی شرح میں اور علاوہ ان دونوں کے اوروں نے اپنی تصنیف میں جو بیان کیا ہے یہ ہے کہ اجماع اتفاق ہے مجتہدین کا امت محمد صلعم میں سے کسی زمانہ میں ایک امر پر خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی۔

دوسرے یہ کہ تفسیر کرنا اہل حل وعقد کا امراء لشکر سے اور اہل حل وعقد کا صرف جماعت انصار میں منحصر کرنا خارج کرتا ہے امیر المومنین علیہ السّلام کو اور ابو بکر و عمر و عثمان و اسامہ بن زید کو اہل حل وعقد سے حالانکہ جناب امیر المومنینؑ ثلثہ اور اُن کے غیر پر بوقت وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر تھے اور یہ سب یعنی امیر المومنینؑ و ابو بکر و عمر و عثمان و اسامہ بن زید امراء مہاجرین میں سے ہیں جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے اور کسی پر پوشیدہ نہیں۔

ہاں بعض اہلسنت کے بہ تکلف جواب دینے والوں نے کہا ہے کہ اگرچہ سقیفہ

کے روز خلافت ابوبکر پر اجماع متحقق نہیں ہوا لیکن اُس وقت سے چھ مہینے کے بعد تحقق ہوا اور سب لوگ راضی ہو گئے لہذا اجماع ہو گیا درانحالیکہ یہ بھی صحیح نہیں ہے اسلئے کہ امیرالمومنین اور اُن کے اصحاب نے تو چھ مہینے کے بعد بھی بیعت نہیں کی اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت نے ابوبکر کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جیسا کہ بیعت کرنیوالے بیعت کرتے ہیں تو سعد بن عبادہ اور اُن کی اولاد نے نہ کبھی اس خلافت سے اتفاق کیا اور نہ ابوبکر کی بیعت کی نہ عمر کی جیسا کہ عنقریب ہم بیان کریں گے اور اگر یہ سب مان بھی لیا جائے تب بھی ہم یہ کہیں گے کہ اجماع کی تعریف میں اس امر کا اعتبار کیا گیا ہے کہ تمام اہل اجماع کسی ایک بات پر ایک وقت میں اتفاق کریں اس لئے کہ اگر ایک وقت میں ایسا نہ ہو تو اس امر کا احتمال ہوتا ہے کہ پہلے جو لوگ متفق تھے اب اُن کی رائے بدل گئی ہو لہذا خلافت ابوبکر پر تدریجاً اجماع ہونے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

بالجملہ اگر اہل سنت اس امر کا دعویٰ کریں کہ سب نے خلافت ابوبکر پر ایک ہی وقت میں اتفاق کر لیا تھا تو یہ بالاتفاق خلاف واقع ہے اور اگر یہ کہیں کہ نہیں بلکہ مختلف اوقات میں اتفاق کیا گیا ہے تو اس کا ثابت کرنا سخت دشوار ہے جیسا کہ معلوم ہوا۔ ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ناصبی کو اس دروغ بافی اور کتاب خدا و سنت پیغمبر و تاریخ پر کثرت سے افترا پردازی کرنے میں اس امر کا اطمینان تھا کہ یہ میری تصنیف علما رامامیہ اور دیگر اہل علم و بصیرت کے ہاتھوں تک نہیں پہونچ سکتی اور یہ بعید نہیں ہے اسلئے کہ یہ کتاب اُس نے اُس وقت لکھی کہ جب وہ شاہ اسمٰعیل صفوی کے خوف سے بھاگ کر ماوراء النہر میں شہر قاسان میں رہا جیسا کہ وہ خود اول میں اپنی کتاب کے لکھتا ہے اور اُس نے اپنی کتاب کو شاہ بیگ خاں والی بلاد ماوراء النہر کے نام سے معنون کیا تھا اور اپنے دل میں قرار دیا تھا کہ خوف و ہلاک کی وجہ سے علما رامامیہ میں سے کوئی شخص وہاں نہ آئیگا (یعنی بلاد ماوراء النہر میں) اور خود اہل ماوراء النہر ایسے

کو دن ہیں کہ جن کو سوائے فقہ و اصول ابی حنیفہ اور تھوڑی سی ظاہری عربیت کے اور کچھ نہیں آتا ایک بھی اُن میں سے اسکی تمیز نہیں کر سکتا کہ میں نے اس کتاب میں کیا جھوٹ کے پل باندھے ہیں اور حق یہ ہے کہ ایسا ہی ہوا اور اس کا گمان ٹھیک اُترا اُس خطا کار نے سچ کہا ہے اس لئے کہ میں نے خود اس منحوس کتاب کی پشت پر ماوراء النہر کے بعض قاضیوں کی چند سطریں لکھی ہوئی دیکھیں جس میں بے انتہا تصنیف اور مصنف کی مدح و ثنا میں مبالغہ کیا گیا ہے۔

چوتھے اُس کا یہ ذکر کرنا کہ ابو بکر نے سقیفہ کو اُس وقت تک نہیں چھوڑا جبتک کہ تمام انصار نے سوائے سعد بن عبادہ کے بیعت نہیں کر لی چند وجوہ سے بالکل غلط ہے جیسا کہ کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں اُس کے مصنف ابن عبد البر کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے جہاں کہ اُنہوں نے ابو بکر کے ترجمہ میں کہا ہے کہ "اُن کی خلافت کی بیعت سقیفہ بنی ساعدہ میں تو رسالتمآبؐ کی وفات کے روز ہوئی اور بیعت عامہ اُس کے دوسرے روز یعنی سہ شنبہ کو ہوئی لیکن سعد بن عبادہ اور ایک گروہ خزرج اور ایک فرقہ قریش نے بیعت نہیں کی" اور نیز یہ جو اُس نے (یعنی ابن روزبہان نے) ذکر کیا ہے کہ سعد بن عبادہ ابو بکر کی خلافت کے ساتویں روز مر گئے یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ ابن عبد البر اپنی مذکورۂ بالا کتاب میں اور ابن حجر عسقلانی نے کتاب الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں لکھا ہے "سعد نے نہ تو ابو بکر کی بیعت کی اور نہ عمر کی اور نہ یہ لوگ اُن کو مجبور ہی کر سکے جیسے اور لوگ مجبور کئے گئے تھے اس لئے کہ اُن کے اعزا و اقربا بنی خزرج میں بہت تھے لہذا اُن کے فتنہ سے بچنے کی غرض سے سعد مجبور نہیں کئے گئے۔

جب حکومت اہل اسلام عمر کو ملی تو ایک روز سعد مدینہ کے بازار میں جا رہے تھے کہ عمر کی نظر اُن پر پڑ گئی عمر نے کہا کہ سعد یا تو ہماری بیعت میں داخل ہو یا مدینہ

سے نکل جاؤ تو سعد نے کہا کہ مجکو خود ایسے شہر میں رہنا حرام ہے جس کا تو امیر و حاکم ہو۔ اور اُس کے بعد ہی سعد بن عبادہ مدینہ سے شام چلے گئے۔

دمشق کے اطراف میں اُن کا بہت بڑا قبیلہ تھا تو وہ ایک ایک ہفتے ہر گروہ میں زندگی بسر کرتے تھے اُس زمانہ میں یہ ایک مرتبہ ایک گانوں سے دوسرے گانوں میں جارہے تھے کہ راستہ میں ایک باغ تھا اُسکے پیچھے سے وہ تیر سے مارے گئے۔

اور صاحب روضۃ الصفا کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ "سعد نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور مدینہ سے شام کی طرف چلے گئے اور وہاں بعد مدت کے بعض بڑے لوگوں کی تحریک سے قتل کردیئے گئے"۔

بلاذری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے خالد بن ولید اور محمد بن مسلمہ انصاری سے ارشاد کیا تھا کہ سعد قتل کردیئے جائیں چنانچہ اُن دونوں نے تیر مار کر اُن کو قتل کیا اور لوگوں کو یہ باور کرایا کہ جنوں نے سعد کو مار ڈالا ہے اور ایک شعر بھی جنوں کی طرف سے نظم کرکے مشہور کیا گیا تھا جس کا یہ مطلب ہے کہ ہمنے قبیلہ بنی خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا اور ایسے دو تیر مارے جو ٹھیک اُن کے قلب پر پڑے اور یہ سب عمر کی خاطر سے کیا گیا تھا۔

پانچویں وجہ بطلان کی یہ ہے کہ ابن روزبہان نے یہ جو کہا ہے کہ اگر انصار نے جناب رسالتمآب صلعم سے کوئی نص خلافت امیرالمومنین علیہ السّلام پر سنی تھی تو خلافت ابوبکر کے روز کیوں پیش نہ کی۔ تو یہ قول بھی اُس کا کان دھرنے کے قابل نہیں ہے اسلئے کہ انصار نے ضرور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نص سنی تھی اور آپسمیں اُس کا تذکرہ بھی کیا تھا لیکن اُس وقت اس وجہ سے پیش نہیں کی کہ ابوبکر کے دوستوں نے یہ شبہہ ڈالدیا تھا کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے خلافت سے دست کشی کرلی ہے اور خانہ نشین ہوگئے ہیں چنانچہ تاریخ و سیر

کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ جب جناب رسالتمآب صلعم نے رحلت فرمائی تو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام معہ اپنے اصحاب کے (کہ جو بنی ہاشم و غیر بنی ہاشم پر شامل تھے) آنحضرت ص کی تجہیز و تکفین و مراسم تعزیت میں مشغول ہو گئے اور حضرت کو یہ خیال تھا کہ میری موجودگی میں کوئی شخص خلافت کی طمع نہ کریگا لیکن بعض اُن لوگوں نے جو حضرت سے منحرف تھے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہہ ڈالدیا تھا کہ حضرت کو چونکہ وفات جناب رسالتمآب ص کا بہت بڑا صدمہ ہوا لہذا وہ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور خانہ نشینی اختیار کرلی ہے اور صرف حزن و ملال و مراسم تعزیت میں مشغول ہیں تو خزیمہ بن ثابت انصاری نے آکر اپنی قوم سے امیرالمومنین کے متعلق جو کچھ سنا تھا وہ بیان کیا اور کہا کہ کسی کا خلیفہ ہونا ضروری ہے اور سوائے اُن کے کوئی قرشی اس کے لائق نہیں ہے۔ یہ سنکر انصار کو خوف ہوا کہ کہیں کوئی تند و سخت قرشی خلیفہ نہ ہو جائے جو بدر کے کینوں اور جاہلیت کے خونوں کا بدلہ لے تو اور مصیبت ہو یہ خیال کرکے کل انصار سعد بن عبادہ (کہ جو انصار کے سردار تھے) کی طرف متوجہ ہوئے اور سقیفہ میں حاضر ہو کر اُن سے خواہش کی کہ وہ خلافت کو قبول کرلیں لیکن انھوں نے بسبب امیرالمومنین ع کے مرتبہ کے اور اسکے کہ وہ خدا اور رسول ص کی طرف سے منصوص بخلافت ہیں انکار کیا جب قریش نے یہ سنا تو وہ تو موقع کے تاک ہی میں تھے گڑبڑ کرکے ابوبکر کی بیعت میں تعجیل کرنا شروع کی اور سقیفہ پہونچے تاکہ انصار کے ہنگامے کو روکیں اور انصار سے جبراً و کرہاً ابوبکر کی بیعت لینا چاہی تو انصار نے کہا کہ جب تم نے خدا و رسول ص کی نص کو ترک کردیا تو پھر امیرالمومنین علی ع کے بعد ہم تم برابر ہیں لہذا ایک ہم میں سے امیر ہو اور ایک تم میں سے تو ابوبکر اور اُن کے ساتھیوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ حضرت رسالتمآب ص فرما گئے ہیں کہ امام قریش میں سے ہوں گے لہذا تم میں سے کوئی نہیں ہو سکتا

تو سعد نے بھی انکار کیا اور کہا جس شخص کی خلافت منصوص ہے وہ تمھارے علاوہ ہے۔
اب پھر اضطراب ہوا یہاں تک کہ بشر بن سعد بن ثعلبہ انصاری کا قلب اس خیال
سے کہ اپنے چچازاد بھائی سعد بن عبادہ کو شکست دے قریش کو ترجیح دینے کی طرف
اور ان کی موافقت کی طرف مائل ہوا اس وجہ سے قریش کو تقویت ہوئی اور عمر نے
دوڑ کر ابوبکر کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اس نے اور ایک جماعت نے جو مثل انہیں کے
تھی ناگہانی بیعت کر لی جیسا کہ خود بعد کو کہتے تھے کہ بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ وقی
اللہ شرھا عن المسلمین محمد بن جریر طبری شافعی کتاب المواہب میں ابوعلقمہ اور وہ
سعد بن عبادہ سے روایت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ابوعلقمہ نے بیان کیا کہ جب لوگ
ابوبکر کی بیعت کی طرف مائل ہو چکے تو میں نے ابن عبادہ سے کہا کہ تم کیوں ایسی چیز
میں داخل نہیں ہوتے جس میں کہ تمام مسلمان داخل ہو چکے ہیں (یعنی بیعت ابوبکر) تو
ابن عبادہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے خود رسالتمآب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب
میں انتقال کر جاؤں اور لوگ اپنے پچھلے حالات کی طرف واپس جائیں اور خواہشوں
میں گمراہی پیدا ہو تو اس دن حق علیؑ کے ساتھ ہوگا اور کتاب خدا ان کے ہاتھ میں ہوگی
لہذا ان کے سوا کسی اور کی بیعت نہ کرنا تو میں نے ان سے کہا آیا کسی اور نے بھی
اس خبر کو سنا ہے سوائے تمھارے تو کہا کہ لوگوں کے دلوں میں تو بغض و کینہ بھرا ہوا
ہے میں نے کہا کہ شاید تمھارا نفس یہ چاہتا ہے کہ یہ منصب تمھیں کو ملتا تو انھوں نے
قسم کھا کر کہا کہ میں نے کبھی اس کا قصد بھی نہیں کیا اور اگر لوگ علیؑ کی بیعت کرتے
تو پہلا بیعت کرنے والا سعد ہوتا ختم ہوا کلام طبری۔ اور علامہ حلی رحمہ اللہ نے شرح
دعائے صنمی قریش میں روایت کی ہے کہ ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ اور ان کے بھائی
سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر اپنی بیعت و حکومت کے خواستگار ہوئے بغیر اس کے
کہ اہل بیعت و بنی ہاشم کی کچھ بھی پرواہ کریں اور ان تینوں میں سے ہر ایک نے

لئے حکومت چاہتا تھا اور اپنے ساتھی کی طرف پھیرنا چاہتا تھا تو انصار نے انکار کیا اور اسکے دفع کرنے میں اصرار کرتے ہوئے وہ احادیث پیش کیں جن میں آنحضرت نے امیر المومنینؑ کی امامت پر تاکید فرمائی تھی مختلف مقامات پر اور ان لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت کو امیر المومنین کہہ کر سلام کیا کریں۔ ابوبکر نے کہا یہ سب ٹھیک ہے لیکن آنحضرت صلعم نے یہ فرمایا کہ ہم اہلبیت کو خدا نے منتخب کیا اور نبوت سے عزت بخشی اور ہمارے لئے دنیا پر راضی نہیں ہوا اور نہ ہمارے لئے نبوت خلافت کو جمع کریگا اسکو نسخ کر دیا ابوبکر کے اس قول کی عمر اور ابو عبیدہ نے تصدیق کی اور حضرت امیرؑ کے تجہیز و تکفین میں مشغول ہونے کی وجہ یہی بیان کی کہ وہ خود بھی اسی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مجھکو خلافت سے علیحدہ کر لیا ہے۔

تو انصار نے کہا کہ پھر ہم تو کسی اور کی امارت کو قبول نہ کریں گے لہذا ایک ہم میں سے امیر ہو اور ایک تم میں سے تب ان لوگوں نے یہ کہا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا اسلئے کہ آنحضرت صلعم فرما گئے ہیں کہ ائمہ قریش ہی میں سے ہوں گے۔ یہ گڑھ گڑھ کر کے انصار اور امامت کو دھوکے میں ڈال [illegible] ت اپنی لے لی۔ اب جب امیر المومنین اور اُن کے ساتھی دفن و کفن سے آنحضرتؐ کے فارغ ہوئے اور خلافت کے بارے میں گفتگو کی تو اُن لوگوں نے کبھی تو یہ عذر کیا کہ لوگوں نے بیعت کر لی اور ہمکو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ بھی اس کے خواستگار ہوں گے اور اب بیعت کے توڑنے سے بہت سے مفاسد مسلمانوں میں پیدا ہوں گے اور ارکان دین میں خلل پڑیگا۔ اور کبھی یہ عذر کیا کہ ہمکو یہ گمان ہوا کہ آپ نے کثرت رنج و الم کی وجہ سے خلافت کو چھوڑ دیا ہے لہذا اصحاب رسولؐ نے اس امر سے اتفاق کیا کہ ابوبکر خلیفہ کر دیئے جائیں۔ اور اسی قسم کے پوچ اور بیجا عذر کئے جن کا ذکر آئندہ معہ جوابوں کے کیا جائے گا اور اُن چیزوں میں سے کہ جو ان لوگوں کی رگ انکار کو توڑتی ہیں اور ان کے

پھر جانے کو ظاہر کرتی ہیں ایک وہ چیز ہے کہ جسکو ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے کہ جو بڑے شیوخ اہل سنت میں سے ہیں اور جن کی بہت سی تصنیفات ہیں امامت ابوبکر وغیرہ میں وہ کتاب السیاستہ کے اُسی باب میں جس میں ابوبکر کی خلافت اور امیرالمومنین کے انکار بیعت کو ذکر کیا ہے لکھتے ہیں کہ مورخین نے ذکر کیا ہے اس امر کا کہ امیرالمومنینؑ جب لائے گئے ابوبکر کے پاس اور حضرت فرما رہے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور رسولخدا کا بھائی ہوں تو حضرت سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کریں حضرت نے فرمایا کہ میں خلافت کا تم سے زیادہ حقدار ہوں میں تمھاری بیعت نہ کرونگا بلکہ تم لوگوں کو میری بیعت کرنا چاہیئے تم لوگوں نے انصار سے خلافت یہ کہکے لیلی کہ ہم لوگ رسالتمآب کے قرابت دار ہیں اور ہم اہلبیت سے زبردستی غصب کرتے ہو تم لوگ وہی نہیں ہو جنھوں نے انصار کے مقابلہ میں یہ گمان کیا تھا کہ تم لوگ خلافت کے زیادہ مستحق ہو اس وجہ سے کہ تمکو رسالتمآبؐ سے قرابت ہے اور انصار نے اسی وجہ سے تمکو موقع دیا اور خلافت تمھارے سپرد کر دی۔ پس اب ہم تمھارے اوپر یہی حجت پیش کرتے ہیں کہ ہم سب سے زیادہ رسالتمآبؐ کے ساتھ اولیٰ ہیں حیات و ممات میں پس تمکو چاہیے کہ ہمارے بارے میں انصاف کرو اگر اپنے نفسوں پر کچھ بھی تمکو خوف ہو ورنہ ظلم کرو اور تم جانتے ہو کہ اوس کا کیا نتیجہ ہے تو عمر نے کہا کہ جب تک آپ بیعت نہ کریں گے اوس وقت تک چھوٹ نہیں سکتے حضرت نے فرمایا تو اپنے فائدے کے لئے ابوبکر کی تائید کرتا ہے آج تو اوسکے لئے خلافت کو مستحکم کر رہا ہے تاکہ وہ کل مرتے وقت تجکو دے جائے۔ واللہ اے عمر میں تیری بات نہیں مانوں گا نہ ابوبکر کی بیعت کروں گا ابوبکر نے کہا کہ اگر آپ بیعت نہ کریں گے تو میں مجبور بھی نہ کروں گا۔ امیرالمومنین نے فرمایا کہ اے گروہ مہاجرینؔ خدا کا خوف کرو اور رسالتمآبؐ کی سلطنت کو جو عرب پر اُن کو حاصل تھی اُن کے گھر سے نکال کر اپنے گھر میں نہ لیجاؤ اور رسالتمآبؐ

کو جو مرتبہ اور حق لوگوں میں حاصل تھا اُس سے اُن کے اہلبیت کو نہ گراؤ۔ خدا کی قسم ہم اہلبیت زیادہ حقدار ہیں تم سے جب تک کہ ہم میں کتاب خدا کا پڑھنے والا اور دین خدا کا سمجھنے والا اور رسالتمآبؐ کی سنتوں کا جاننے والا باقی رہے کوئی دوسرا حقدار نہیں ہو سکتا۔ حضرت کے اس کلام میں بہت سے شواہد شیعوں کے دعویٰ پر ہیں۔ پہلے یہ کہ حضرت نے فرمایا کہ میں زیادہ حقدار ہوں خلافت کا بہ نسبت تمہارے۔ دوسرے یہ فرمایا کہ تم لوگ خلافت کو ہم اہلبیت سے غصب کرتے ہو۔ تیسرے یہ فرمایا کہ ہم اولیٰ ہیں رسالتمآبؐ کے ساتھ حیات و ممات میں چوتھے یہ فرمایا کہ رسالتمآبؐ کی اوس سلطنت کو جو عرب میں حضرت کو تھی اُن کے گھر سے نہ نکالو اور اُن کے اہلبیت کو اُن کے مرتبہ اور حق سے دور نہ کرو۔ ہم اہلبیت تم سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ رسالتمآبؐ کی خلافت کے ہم گروہ امامیہ تو اسکے قائل ہیں کہ حضرت نے یہ سب بالکل سچ فرمایا اور نواصب کیلئے لازم ہے کہ وہ حضرت کی تکذیب کریں کاش کہ میں یہ سمجھ سکتا کہ اُن کو اہلبیت کی محبت کہاں ہے اور کس طرح وہ حضرت کی ان سب باتوں میں تکذیب کر سکتے ہیں۔ درانحالیکہ وہ حضرت اُن کے نزدیک بھی امام ہیں یا کس طرح اُنکو سچا سمجھ سکتے ہیں جس سے اُن کے پہلے خلیفہ کی تکذیب لازم آتی ہے اور ابن قتیبہ کس طرح جمع کر سکتا ہے اس حدیث کو اُس حدیث کے ساتھ جس کا منشا یہ ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جنکی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے جس کو چاہتا ہے خدا اپنے نور کی اُس کو ہدایت کرتا ہے اور وہ اپنے نور کو پورا کرنیوالا ہے اگرچہ کفار کو بُرا معلوم ہو۔ **قول مترجم** یعنی ابن قتیبہ نے اپنی تاریخ میں واقعہ بیعت ابوبکر کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السّلام نے بیعت سے انکار کیا اور اپنی حقیت کا اظہار کیا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ حضرت کے اس کلام معجز بیان کو صحیح سمجھتا ہے یا نہیں اگر معاذاللہ تکذیب کرے تو ایسے شخص کی تکذیب

کریگا کہ جسکو ہم اور وہ دونوں امام مانتے ہیں اور اگر تصدیق کرے تو ابو بکر کی تکذیب ہوتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جب اس کلام کو حضرت کے مانتا ہے تو پھر وہ وضعی حدیث جس میں رسالتمآب صلعم پر افترا کیا ہے کہ حضرت نے تمام اصحاب کو ہادی قرار دیا ہے کیسے صحیح ہو سکتی ہے) اور چھٹی وجہ بطلان کی یہ ہے کہ علما سنیہ نے آنحضرت صلعم کا یہ قول جو ذکر کیا ہے کہ الائمۃ من قریش یہ صحیح ہے اور اسکی تائید کرتا ہے حضرت کا وہ قول جو صحیح حدیثوں میں ہے کہ اسلام اُس وقت تک معزز رہیگا جب تک کہ اُس میں بارہ خلیفہ گذریں گے جن میں کا ہر ایک قریشی ہوگا اور حضرت کی مراد پہلے قریشی خلیفہ سے امیر المومنینؑ ہی تھے لیکن جب لوگوں کے دلوں میں یہ شبہہ ڈالدیا گیا کہ حضرت خلافت سے دست بردار ہو کر خانہ نشین ہو گئے جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں تو اس بات کو چھپا ڈالا اور کوئی دوسرا قریش خلیفہ بنایا جانا جائز کر لیا گیا۔ ساتویں وجہ بطلان کی یہ ہے کہ ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ انصار نے کیوں نہ کہا کہ امامت علیؑ کیلئے رسالتمآبؐ کی نص ثابت ہے دلائل سابقہ سے رد کیا جا چکا ہے اور عنقریب ہم یہ ذکر کرینگے کہ انصار نے یہ کہا تھا لیکن امیر المومنینؑ کی دست برداری بیان کر کے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہہ ڈالدیا گیا اور باوجود اسکے پھر بھی بعض اہل سقیفہ نے اصرار کیا اور ابو بکر کی بیعت نہیں کی اور یہ کہا کہ ہم سوائے علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے رسید المحدثین نے روضۃ الاحباب میں اسکی تصریح کر دی ہے ہماری اس تقریر سے جو ابن روزبہان نے انصار کا سکوت آخر میں ثابت کیا تھا وہ بھی باطل ہو گیا۔

آٹھویں وجہ بطلان کی یہ ہے کہ ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ مصنف رہ نے جو چیزیں اشاعرہ کے لئے ذکر کی ہیں اُن میں سے ایک بھی اُن پر لازم نہیں آتی اس حیثیت سے تو ٹھیک ہے کہ اشاعرہ تصریحاً اُن چیزوں کے قائل نہیں ہیں لیکن چونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق خداوند عالم ہے لہذا جو کچھ بھی مصنف رہ نے بیان کیا

ہے وہ سب اُن پر لازم آتا ہے۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

چوتھی بحث امام کے معیّن کرنے میں ہے شیعہ امامیہ تو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام امام تھے اور سنی کہتے ہیں کہ ابو بکر و عمر و عثمان کے بعد حضرت خلیفہ ہوئے حالانکہ یہ دلائل عقلیہ و نقلیہ دونوں کے خلاف ہے وہ دلائل عقلیہ کہ جو امیر المومنینؑ کی امامت پر دلالت کرتی ہیں اُن میں سے بعض ذکر کی جاتی ہیں۔ **اول** یہ کہ امام معصوم ہونا چاہیئے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اور یہ اجماع سے ثابت ہے کہ سوا علیؑ کے خلفا ثلاثہ میں سے کوئی بھی معصوم نہ تھا لہذا وہی حضرت امام تھے **دوسرے** یہ کہ منجملہ شرائط امامت یہ بھی ہے کہ اُس سے پہلے کوئی معصیت نہ سرزد ہوئی ہو اور شیوخ ثلاثہ قبل اسلام بتوں کو پوجتے تھے لہذا وہ امام نہیں ہو سکتے اور امیر المومنین امام تھے **تیسرے** یہ کہ امام کو منصوص ہونا چاہیئے اور سوا حضرت کے ان میں سے کوئی بھی منصوص نہ تھا لہذا حضرت امام تھے **چوتھے** یہ کہ امام کو رعیت سے افضل ہونا چاہیئے اور یہ وصف بھی حضرت کے سوا ان میں سے کسی میں نہ تھا لہذا حضرت ہی امام تھے۔ **پانچویں** یہ کہ امامت ریاست عامہ ہے اُسکے لئے اوصاف زہد و علم و عبادت و شجاعت و ایمان کی ضرورت ہے اور عنقریب ہم یہ تفصیلاً بیان کریں گے کہ امیر المومنین علیہ السّلام میں یہ تمام اوصاف بدرجۂ کمال جمع تھے اور سوا آنحضرتؐ کے اور کسی میں نہ تھے لہذا حضرت ہی امام تھے۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ اہلسنت و جماعت کا یہ مذہب ہے کہ امام حق رسالتمآب صلعم کے بعد

ابو بکر صدیق ہیں اور شیعوں کے نزدیک علیؑ مرتضیٰ ہیں۔ اہلسنت کی دلیل دو وجہوں سے
ہے اول یہ کہ طریقہ ثبوت امامت کا یا تو نص ہے یا اجماع کے ساتھ امت کا بیعت کر لینا
لیکن نص کا تو وجود ہی نہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور آئندہ پھر تفصیل سے ذکر کریں گے
اب رہا اجماع تو وہ ابو بکر پر امت نے بالاتفاق کر لیا تھا اور کسی پر نہیں کیا۔ دوسری وجہ یہ
ہے کہ ابو بکر و علیؑ و عباس میں سے ایک کی حقیت امامت پر اجماع منعقد ہوا اور ان
دونوں نے ابو بکر سے کوئی منازعت نہیں کی اس سے یہ معلوم ہوا کہ ابو بکر حق پر تھے۔
کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ دونوں ضرور نزاع کرتے جیسا کہ علیؑ نے معاویہ سے کیا اسلئے کہ عادۃً
ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ ایسے مقام پر اگر باوجود قدرت وامکان کے نزاع نہ کی جائے
تو خلاف عصمت ہے اس لئے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے کہ جو خلاف عصمت ہے اور تم لوگ (یعنی شیعہ)
عصمت کو شرط صحت امامت اور امام کے لئے واجب جانتے ہو پس اگر یہ کہا جائے
کہ ان دونوں کو ابو بکر سے لڑنے کا امکان نہ تھا تو ہم یہ کہیں گے کہ تم تو اس کو تسلیم کئے ہوئے
ہو کہ علیؑ ابو بکر سے زیادہ شجاع و بہادر تھے اور دین میں ابو بکر سے زیادہ سخت تھے
اُن کا قبیلہ اور مددگار بھی زیادہ تھے۔ نسب و حسب میں بھی اشرف تھے۔ اور جس نص
کا تم لوگ دعویٰ کرتے ہو وہ بھی لابد لوگوں کے سامنے ہوئی ہوگی۔ تو انصار کبھی ابو بکر
کو علیؑ پر ترجیح نہ دیتے اور رسالتمآب صلعم آخر عمر میں بالائے ممبر فرما گئے تھے کہ میرے
انصار میرے راز دار و معتمد ہیں اور وہ تعداد میں غالب مثل لشکر کے تھے تو رسالتمآب
کو لازم تھا کہ انصار کو وصیت کر جاتے کہ امر خلافت میں علیؑ کی امداد کرنا اور میرے نص
کی جو مخالفت کریں اُن سے لڑنا اور پھر فاطمہ زہرا (صلوات اللہ علیہا) بایں علو مرتبت
علیؑ کی زوجہ تھیں اور حسنین (سلام اللہ علیہما) رسول اللہ کے نواسے اُن کے لڑکے
تھے۔ اور عباس با بزرگی و علو مرتبت یعنی قرابت رسول اُن کے ساتھ تھے۔ چنانچہ
مروی ہے کہ عباس نے علیؑ سے کہا اپنا ہاتھ پھیلاؤ تو میں تمھاری بیعت کر لوں تا کہ لوگ یوں

کو یہ کہنے کو ہو کہ رسول اللہ کے چچا نے اُن کے بھتیجے اور داماد کی بیعت کر لی ہے تو پھر دو آدمی بھی تمھارے بارے میں اختلاف نہ کرینگے اور زبیر سا شجاع بھی اُن کے ساتھ تھا کہا جاتا ہے کہ زبیر نے اپنی تلوار کھینچ لی اور کہا کہ میں ابوبکر کی خلافت پر ہرگز راضی نہیں ہوں اور ابوسفیان نے کہا کہ اے بنی عبد مناف کیا تم اس امر پر راضی ہو گئے کہ ایک قبیلہ بنی تیم کا آدمی تم پر حکمرانی کرے قسم بخدا کہ میں میدان مدینہ کو لشکر کے سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا۔ اور انصار نے خلافت ابوبکر کو ناپسند کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمھارا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

تو اگر امامت علیؑ پر کوئی نص جلی ہوتی تو ضرور اُس کو یہ لوگ ظاہر کرتے اور ضرور اُن لوگوں کو لڑنے کا امکان تھا۔ اور یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ لڑنے کا امکان نہ تھا حالانکہ اُن کے نزدیک ابوبکر ایک کمزور اور مفلس بزدل بوڑھا تھا کہ جس کے پاس نہ آدمی تھے نہ شان و شوکت۔ ایسی حالت میں کیونکر مان لیا جائے کہ اُس سے لڑنے کا امکان نہ تھا لہٰذا ان سب امور سے بھی معلوم ہوا کہ خلافت ابوبکر پر اجماع ہو چکا تھا اور کسی اور کی خلافت پر نص موجود نہ تھی اور خود علیؑ نے ابوبکر کی بیعت کر لی تھی اسلئے کہ انھوں نے ابوبکر کو خلافت کے قابل عاقل صابر با اخلاق سن رسیدہ اسلام کے لئے مفید پایا اور صحابہ کو کوئی ذاتی غرض سلطنت و ریاست کی نہ تھی بلکہ اُن کی غرض تو یہ تھی کہ حق قائم اور دین مستقیم ہو جائے تاکہ لوگ دین اسلام میں داخل ہوں یہ غرض ابوبکر کے خلیفہ ہونے سے حاصل ہوتی تھی لہٰذا یہ کام اوسی کے سپرد کر دیا اور خود سب معین و مددگار رہے۔ سچا مذہب اور راستہ حق یہی ہے جس پر امت کی بڑی تعداد ہو اور رسالتمآبؐ فرما چکے ہیں کہ کثرت اور بڑی تعداد کی پابندی کرنا لازم ہے۔ اب رہا یہ کہ علیؑ کی خلافت پر دلائل عقلیہ جو قائم کی گئی ہیں جن میں سے پہلی یہ ہے کہ امام کو معصوم ہونا چاہیئے تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام کے لئے عصمت ضروری نہیں ہے نہ عقلاً

نہ شرعاً اور دوسرا جواب بھی ذکر کر چکے ہیں کہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ امام سے پہلے کوئی گناہ نہ سرزد ہوا ہو۔ اور تیسرا جواب یہ ہے کہ نص کا ہونا بھی واجب نہیں ہے۔ اسلئے کہ اجماع بھی مثل نص کے ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ امام کو رعیت سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں ہے جیساکہ ثبوت افضلیت علیؑ کے بیان میں ذکر ہوا ہے پانچواں جواب یہ ہے کہ زہد و علم و عبادت و شجاعت و ایمان یہ سب چیزیں خلفاء ثلاثہ میں موجود تھیں۔ اب رہا یہ امر کہ ان سب صفات میں اکمل ہو تو یہ لازم نہیں ہے بادجودیکہ یہ لوگ اسلام کی زیادہ حفاظت کرنے والے تھے۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ ابن روزبہان کے اس کلام پر جتنے ایراد ہو سکتے ہیں اُن سب کا تو ذکر نہیں ہو سکتا لیکن چند ذکر کئے جاتے ہیں اول یہ کہ اُس کا نص سے انکار کرنا بالکل باطل ہے جیساکہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور آئندہ پھر انشاء اللہ تفصیل سے ذکر کرینگے دوسرے یہ کہ خلافت ابوبکر پر اجماع ہرگز نہیں ہوا بلکہ اجماع نہ ہونا ثابت اور محقق ہے جیساکہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں اور یہاں بھی بعض اپنے علماء کے افادات کا ملخص بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض حضرات علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ منہاج بیضاوی اور مختصر ابن حاجب اور اُس کی شرحوں میں اجماع کی تعریف یہ کی ہے کہ اجماع کے معنی یہ ہیں کہ تمام اہل حل و عقد یعنی مجتہدین و علماء مسلمین کا کسی ایک امر پر اتفاق کرنا ایک ہی وقت میں اور علماء اہلسنت کو اجماع کے ثابت ہونے میں اور اُس کے شرائط کے پائے جانے میں خود ہی کلام ہے۔ جیساکہ شرح عضدی وغیرہ میں ہے کہ آیا اجماع ممکن بھی ہے یا محال ہے اور بفرض امکان وہ کبھی واقع بھی ہوا یا نہیں۔ اور اگر یہ بھی مان لیں تو آیا وہ کسی چیز کی دلیل و حجت ہے یا نہیں اگر اُس کا دلیل ہونا بھی مان لیں

تو آیا وہ بغیر اسکے کہ تواتر سے ثابت ہوا ہو دلیل ہو سکتا ہے۔ یا بغیر حد تواتر کو پہونچے ہوئے نہیں ہو سکتا ان سب مندرجہ بالا امور میں اختلاف ہے۔ علمائے اہلسنت ہیں تو اہلسنت پہلے ان امور کو طے کرلیں تب خلافت ابوبکر کو ثابت کریں۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان کے علماء میں سے وہ لوگ کہ جو اجماع کے قائل نہیں ہیں وہ کیسے ابوبکر کی خلافت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ثابت کرنا چاہتے ہیں ان سب مراحل کے بعد اور بھی اختلاف ہے وہ یہ کہ آیا اجماع کی حقیقت میں یہ بھی شرط ہے کہ اجماع کرنے والوں میں سے کوئی شخص اُسکے خلاف رائے ظاہر نہ کرے یہاں تک کہ سب مرجائیں یا نہیں۔ اور اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اجماع خود تنہا حجت ہے یا اُسکے لئے سند کی بھی ضرورت ہے کہ جو دراصل حجّت ہو۔ اب خلافت ابوبکر پر جس اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے اُس کی سند جو ذکر کی گئی ہے وہ قیاس فقہی ہے۔ اس لئے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ رسالتمآب صلعم نے اپنے مرض کی حالت میں ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ نماز جماعت پڑھائیں۔ تو جب ایک امر دین میں اُنھوں نے ابوبکر کو امام کردیا تو امر دنیا میں ابوبکر کی امامت اور بھی زیادہ پسند کرتے ہونگے اور یہی خلافت ہے تو معلوم ہوا کہ خلافت کو امامت جماعت پر قیاس کیا گیا اور اسی کو اجماع کرنے کے لئے سند قرار دے لیا۔ اور اسی مطلب کا شرح تجرید و مواقف و طوالع اور صابونی کی کفایہ و ابن حجر عسقلانی شافعی کی صواعق محرقہ اور احمد جندی حنفی کے ایک عقائد کے فارسی رسالہ وغیرہ میں ملتی جلتی عبارتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ جن کا حاصل یہی ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے حالت مرض میں ابوبکر کو حکم دیا کہ وہ امام جماعت کی حیثیت سے نماز پڑھائیں تو چونکہ حضرت نے اُن کو امر دین میں امام قرار دیا اور راضی رہے تو امور دنیا میں اُن کا امام ہونا تو اور بھی زیادہ حضرت کو پسند ہوگا یہی خلافت ہے۔ اہلسنت نے اسی کو سند قرار دیا ہے جیسا کہ شرح تجرید سے ظاہر ہوتا ہے اور صاحب کفایہ نے تصریح کی ہے۔

یہ مشہور ترین عبارت تھی جس کا ہم نے ذکر کیا جس شخص کو فی الجملہ بھی علم اصول سے مَس ہو گا اُسکے نزدیک اس کلام کا بطلان پوشیدہ نہیں رہ سکتا اسلئے کہ قیاس کے حجت ہونے کو ثابت کرنا سخت دشوار ہے۔ علما راہلبیتؑ و اہلسنت میں سے فرقہ ظاہریہ اور جمہور معتزلہ اس امر کے قائل ہیں کہ قیاس حجت نہیں ہے۔ اور وہ لوگ اپنے اس قول پر بہت سی عقلی و نقلی دلیلیں پیش کرتے ہیں جن میں سے بعض مسائل اصول فقہ کے مبحث قیاس میں ذکر کی جائینگی۔ اور ان کے علاوہ اور فرقوں کے علما ربھی قیاس کے اقسام و شرائط میں کثرت سے اختلاف کرتے ہیں۔ اور اگر باوجود حجیت قیاس کے ناممکن ہونے کے بالفرض مان بھی لی جائے تو قیاس اُس وقت ہو سکتا ہے کہ جب اصل میں کوئی علت ہو اور فرع میں بھی وہی علّت پائی جائے اور یہاں علت مفقود ہے بلکہ فرق موجود ہے اس لئے کہ علما راہلسنت کے نزدیک نماز کو ہر اچھے بُرے کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں بخلاف خلافت کے کیونکہ خلیفہ کے لئے عدالت و شجاعت و قرشیت وغیرہ کی شرط ہے اور امامت جماعت کے لئے کسی شرط کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نیز امر امامت جماعت ایک ایسا امر ہے کہ جس میں زیادہ علم و شجاعت و تدبیر اور اُن چیزوں کی ضرورت نہیں ہے جن کی کہ اُن کے نزدیک خلافت میں ضرورت ہے۔ پس جبکہ سلطنت و حکومت جمیع امور دین و دنیا میں علوم و شرائط کثیرہ کی طرف محتاج ہوئے اور ابوبکر وغیرہ میں یہ صفات نہ تھے تاکہ امامت جماعت پر قیاس کر کے خلافت بھی اُن کے لئے جائز قرار دے دی جائے اور بعض اہلسنت نے یہ جو کہا ہے کہ نماز ایک دینی کام ہے اور خلافت امور دنیا میں سے ہے یہ بالکل غلط ہے اسلئے کہ محققین نے (مثل شارح تجرید وغیرہ کے) خلافت کی تعریف میں بیان کیا ہے کہ وہ حکومت عامہ ہے امور دین و دنیا میں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا ہی ہے باوجود اسکے کہ اصل (یعنی رسالتمآبؐ کا ابوبکر کو امام جماعت مقرر کرنا) ہی ثابت نہیں ہے اسلئے کہ اہل تشیع اس سے بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جناب

رسالتمآب صلعم نے حالت مرض میں لوگوں کو نماز کا حکم دیا۔ عائشہ نے کہدیا کہ آنحضرت صلعم نے حکم دیا ہے کہ ابو بکر نماز جماعت پڑھائیں جب آنحضرت کو یہ معلوم ہوا کہ ایسی فتنہ انگیز چال چلی گئی ہے تو آنحضرت اسی مرض کی حالت میں اوٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ہاتھ امیر المومنینؑ کے شانہ پر اور ایک عباس کے شانہ پر رکھکر مسجد میں تشریف لائے اور ابو بکر کو محراب سے ہٹا کر خود نماز پڑھائی تا کہ ابو بکر کے نماز پڑھانے سے دین میں کوئی خلل نہ پڑ جائے اسکی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوئی چنانچہ وہ عروہ کی سند سے اس واقعہ کی روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف پائی تو محراب میں تشریف لائے اور ابو بکر آنحضرت کے ساتھ نماز پڑھنے لگے اور اور لوگ ابو بکر کی نماز سے نماز پڑھنے لگے تھے یعنی ابو بکر کی مکبّری میں۔ اور اسی بنا پر سید شریف جرجانی نے اہل سنت کو خوب ریش خند کیا ہے شرح مواقف میں چنانچہ انھوں نے اس روایت کو ذکر کر کے جب یہ دیکھا کہ یہ تو اس وضعی روایت کے بھی خلاف ہے جس میں لوگوں کا ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھنے کا حال ہے چہ جائیکہ وہ روایت کہ جس میں خود رسالتمآبؐ کے اقتدا کرنے کا ذکر ہے تو لکھا کہ یہ کسی دوسرے وقت کا ذکر ہے۔ اس میں جو کچھ اعتراض ہے وہ ظاہر ہے ونیز اگر ابو بکر سے نماز پڑھانے والی خبر صحیح تھی اور ابو بکر کی امامت پر دلالت بھی کرتی تھی تو پھر تو یہ رسالتمآبؐ کی نص ہوئی اُن کی امامت پر اور جب نص موجود تھی تو ابو بکر اور اُن کے ساتھیوں نے سقیفہ میں اس نص کو ابو بکر کی امامت کی دلیل میں کیوں نہ پیش کیا اور انصار کے مقابلہ میں کیوں اس نص سے احتجاج نہ کیا اور کیوں خلافت کو بیعت پر مبنی قرار دیا جس میں کہ اتنا اختلاف ہوا کہ تلواریں کھنچنے تک کی نوبت آگئی اور اسکے پیش کرنے سے پہلو تہی کی۔ حالانکہ یہ امر ظاہر ہے کہ کوئی عقلمند اسکو گوارا نہ کریگا کہ جب سہل اور آسان طریقہ ایک کام کا موجود ہو تو اسکو چھوڑ کر سخت اور مشکل طریقہ اختیار کرے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس خبر میں کوئی قابلیت دلیل ہونے کی نہیں ہے۔ علاوہ اسکے ظاہر ہے کہ امامت اصول میں

سے ہے اسی وجہ سے اصول میں ذکر کی گئی اور اس باب میں مفصل کلام ذکر ہو چکا ہے۔ لہذا اگر قیاس کا جائز ہونا ثابت بھی ہو جائے تب بھی امامت کو قیاس سے ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جیسا کہ ابھی ہم تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں کہ قیاس فروع میں ہوتا ہے نہ کہ اصول میں۔ اور صاحب مواقف نے یہ جو کہا ہے کہ امامت اصول میں نہیں ہے اس قول کا بطلان بالکل ظاہر ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امامت سی چیز اصول میں داخل نہو حالانکہ وہ نبوت کے برابر ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔ اگر کسی مجتہد کا گمان مسئلہ امامت میں کافی ہو جیسا کہ فقہ کے دیگر فروعی مسائل میں ہوتا ہے تو پھر ایسے مجتہد کی تقلید جائز ہو گی جو ابوبکر کی امامت کو ناجائز سمجھتا ہو اور اس کو خطاکار کہتا باطل ہو گا۔ حالانکہ اگر اہلسنت میں سے کوئی مجتہد یہ کہے کہ میں امیرالمومنین کی امامت کا معتقد ہوں اسلئے کہ میرا گمان غالب یہی ہے کہ حضرت امام تھے یا ایسے مجتہد کی تقلید کوئی کرے تو اس کو خطاکار کہتے ہیں بلکہ قتل کر دیتے ہیں۔ علاوہ بریں نماز میں کسی کو قائمقام بنا دینے کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ وہ ہمیشہ کے لئے قائمقام ہے جملہ امور میں حالانکہ عزل نماز سے ثابت ہے بلفرض وقوع جیسا کہ مذکور ہوا نیز اسکے معارض امیرالمومنین علیہ السلام کی قائمقامی ہے جبکہ اُن کو رسالتمآب صلعم جنگ تبوک کے موقع پر تشریف لے جاتے ہوئے مدینہ میں اپنا قائمقام کر کے چھوڑ گئے تھے اور پھر حضرت کو معزول بھی نہیں کیا تھا اور جبکہ حضرت مدینہ میں رسالتمآب ص کے خلیفہ تھے تو تمام امور امت کے تھے اسلئے کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ حضرت صرف کسی خاص کام کے لئے مقرر کئے گئے تھے لہذا یہ قائمقامی اُس سے بدرجہا زیادہ موثر ہے اور پھر دوسرا مرجح ہمارے لئے یہ ہے کہ امیرالمومنین کو مدینہ پر قائم مقام کرنا امامت کبریٰ سے زیادہ تر قریب ہے اسلئے کہ اس قائمقامی میں امور دین و دنیا دونوں شریک تھے بخلاف اس کے کہ صرف نماز میں کسی کو قائمقام کیا جائے جیسا کہ ذکر ہو چکا۔ اور اگر ہم ان سب کو مان بھی لیں تو یہ کہیں گے کہ تمام امت کا اجماع خلافت ابوبکر پر ایک وقت میں ثابت نہیں ہوتا اور یہ بالکل واضح ہے اگرچہ ہم اہلبیت علیہم السلام

اور سردار انصار سعد بن عبادہ اور اُن کی اولاد و اصحاب وغیرہ کی بیعت نہ کرنے سے قطع نظر بھی کرلیں لہذا صاحب مواقف نے ابوبکر کی خلافت کو اجماع سے ثابت ہونے کے دعوے سے اعراض کیا ہے اور صرف بیعت سے اس کو ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ سابق میں اس کا ذکر ہوچکا ہے حاصل یہ ہے کہ اگر ابن روزبہان اور اُس کے ساتھیوں کی وقوع اجماع سے یہ مراد ہو کہ بعد وفات سرور کائنات فوراً ابوبکر کی خلافت پر سب نے اتفاق کرلیا تھا یا تھوڑے سے زمانہ میں تو اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے بالاتفاق اور اگر یہ مراد ہو کہ ایک مدت کے بعد سب نے اتفاق کرلیا تھا تو یہ باوجود اس امر کے کہ ممنوع ہے اور مخالف ہے شرط اتحاد وقت کے جیسا کہ حقیقت اجماع میں اعتبار کیا گیا ہے حجت نہیں ہوسکتا مگر بشرطیکہ اور باقی لوگ خوشی سے اجماع میں داخل ہوئے ہوں لیکن اگر بہت سے لوگوں نے اتفاق کرلیا ہے اور کچھ لوگ جو قلباً (دل سے) اس امر پر راضی نہوں مگر خوف کی وجہ سے وہ جبراً و قہراً اجماع میں داخل ہوجائیں تو حجت نہیں ہوسکتا اور اس میں شک نہیں کہ واقعہ ایسا ہی ہے اسلئے کہ بنی ہاشم نے پہلے بیعت نہیں کی تھی پھر جب اُن پر زبردستی کی گئی تو چھ مہینہ کے بعد اُنہوں نے بیعت کی اور امیر المومنینؑ نے بھی بیعت نہیں کی بلکہ خانہ نشین ہوگئے حتی کہ جمعہ و جماعت میں بھی حضرت نہیں جاتے تھے یہاں تک کہ وہ واقعہ گزرا کہ جس کو تمام اہل اخبار و احادیث نے نقل کیا ہے اور مثل روز روشن کے ظاہر و مشہور ہے یہاں تک کہ معاویہ نے حضرت کو ایک خط میں لکھا تھا کہ آپ تو بیعت کے لئے اس طرح کھینچے جاتے تھے جیسے (بلاتشبیہ) اونٹ نکیل ڈالکر کھینچا جاتا ہے اس کلام میں اپنے وہ حضرت کی تشنیع کرتا ہے کہ حضرت نے بیعت نہیں کی یہاں تک کہ مجبور کئے گئے اور زبردستی کی گئی مثل اُس اونٹ کے کہ جو پل پر سے عبور نہ کرتا ہو اور مجبور کیا جائے اور نیزہ چبھویا جائے تاکہ وہ پل پر سے گزر جائے

تو حضرت نے اُس کے جواب میں تحریر فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت معاویہ سے خطاب کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ تو نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ "میں بیعت کے لیے اس طرح کھینچا جاتا تھا جس طرح اونٹ کھینچا جاتا ہے قسم بخدا تو نے ارادہ کیا تھا کہ اس فقرہ سے تو میری مذمت کرے مگر وہ میری مدح ہو گئی اور تو چاہتا تھا کہ مجکو رسوا کرے مگر تو خود رسوا ہو گیا مسلم کے مظلوم ہونے میں کوئی توہین نہیں ہے جبتک کہ وہ اپنے دین میں شک اور اپنے یقین میں شبہہ نکرتا ہو اور یہ حجت میری تیرے غیر کے لیے (یعنی ابوبکر کے لیے) اس سے زیادہ واضح طور پر ایں مطلب کو حضرت نے خطبہ شقشقیہ میں ارشاد فرمایا ہے اور یہ وہ مشہور خطبہ ہے کہ جس کو حضرت نے اُس وقت ارشاد فرمایا ہے کہ جب لوگوں نے حضرت کی بیعت کر لی ہے عنقریب مصنف علیہ الرحمہ اس کا ذکر کریں گے ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں فضائل عمر کو ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ عمر ہی وہ شخص تھا کہ جس نے کار خلافت کو ابوبکر کے لئے درست کیا اور اس کام میں یہاں تک مقاومت کی کہ مقداد کو سینہ پر ہاتھ مار کر ڈھکیلدیا اور زبیر کی تلوار کو توڑ ڈالا جس کو زبیر نے کھینچ لیا اس سے معلوم ہوا کہ کتنی زبردستی کی گئی تھی۔ اس سے زیادہ جو چیز اس امر کو ایسا ثابت کر دیتی ہے کہ پھر دشمن کو انکار کا موقع ہی نہیں رہتا وہ حمیدی کی وہ روایت ہے کہ جسکو اُس نے صحیح بخاری و مسلم سے نقل کیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ جناب رسالتؐ کی وفات کے بعد جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا صرف چھ مہینے تک زندہ رہیں اُسکے بعد انتقال فرما گئیں۔ عائشہ کہتی ہیں کہ جب تک فاطمہ زندہ رہیں اُس وقت تک لوگوں کی نظروں میں علیؑ کی وجاہت تھی جب فاطمہؑ نے انتقال کیا تو لوگوں نے علیؑ سے روگردانی کر لی اور جامع الاصول میں اسی مضمون کے بعد یہ ہے کہ فاطمہ جناب

لہ دیکھو نہج البلاغہ و شرح نہج البلاغہ ۱۲

رسالتمآبؐ کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں اُس کے بعد انتقال کیا جب علیؑ نے یہ دیکھا کہ لوگوں نے میری طرف سے روگردانی کر لی ہے تو وہ ابوبکر سے مصالحت کرنے پر مجبور ہوئے اور کہلا بھیجا کہ تم میرے پاس آؤ مگر کسی اور کو اپنے ہمراہ نہ لانا یعنی عمر کے آنے کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ علیؑ کو عمر کی شدت معلوم تھی۔ عمر نے کہا کہ تم تنہا نہ جانا ابوبکر نے جواب دیا کہ قسم بخدا میں تنہا ہی جاؤں گا وہ میرا کیا کر سکتے ہیں چنانچہ ابوبکر گئے تو علیؑ کے پاس بنی ہاشم جمع تھے الخ اس روایت میں ہمارے دعوے پر بہت سے طریقوں سے استدلال ہوتا ہے جیسا کہ ہر غور کرنے والے پر ظاہر ہو سکتا ہے۔

واقدی نے ذکر کیا ہے کہ عمر ایک گروہ کو لیکر جن میں اسید بن حصین اور سلمہ بن اسلم اشہلی بھی تھے امیرالمومنین کے مکان پر آئے اور کہا کہ نکلو ورنہ ہم گھر میں آگ لگا دینگے اور ابن حزابہ نے کتاب غرر میں ذکر کیا ہے کہ زید بن اسلم نے بیان کیا کہ میں اُن لوگوں میں تھا کہ جو عمر کے ساتھ لکڑیاں لیکر فاطمہؑ کے گھر جلانے گئے تھے جبکہ علیؑ اور اُن کے ہمراہیوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ عمر نے فاطمہؑ سے کہا کہ تم گھر سے نکالدو ورنہ میں گھر کو اور جو لوگ گھر میں ہوں گے اُن کو بھی جلا دوں گا (راوی کہتا ہے کہ اُس وقت اُس گھر میں علیؑ و حسنؑ و حسینؑ اور بعض رسول اللہؐ کے اصحاب موجود تھے) فاطمہؑ نے کہا کہ میرے بچوں کو گھر میں جلا دوگے عمر نے کہا کہ ہاں خدا کی قسم میں یہی کرونگا ورنہ نکلکر بیعت کرلیں صرف یہی روایت زبردستی و ظلم ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ کتاب الملل والنحل کے مصنف نے بھی نظّام سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مضمون قریب قریب ایسا ہی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ علم میزان (یعنی منطق) میں یہ امر طے ہے کہ اگر استدلال میں احتمال پیدا ہو جائے تو وہ استدلال باطل ہو جاتا ہے اور اس ناقص اجماع میں زبردستی کا احتمال بلکہ یقین پیدا ہو گیا ہے لہٰذا

اس اجماع سے استدلال نہیں ہو سکتا اور آپ کیا گمان کر سکتے ہیں اس امر کے بارہ میں کہ جس میں مہاجرین کو سینوں پر ہاتھ مار مار کر ڈھکیلا گیا ہو جس میں اُن کی تلواریں توڑ کر پھینکدی گئی ہوں اور جس میں مسلمانوں کے سروں پر تلواریں کھینچی گئی ہوں جس میں اہلبیت علیہم السّلام کو گھر کے اندر جلا کر مار ڈالنے کا قصد کیا گیا ہو وغیرہ وغیرہ۔ ایسی مجبوری سے جو امر واقع ہوا وہ رضا و رغبت سے سمجھا جائے گا۔ اور کون ایسا ہے کہ جو اسکو اجبار و اکراہ نہ کہے گا اگر اُس کا دل اندھا نہیں ہے۔

اور تیسری وجہ اسکے باطل ہونیکی یہ ہے کہ اجماع ثلاثی بھی (یعنی علیؑ اور عباس و ابوبکر میں سے کسی ایک کے خلیفہ ہونے پر اجماع ہے) مثل مسئلہ تثلیث کے باطل ہو جیساکہ آئندہ ذکر ہوگا کہ آیت اولی الارحام نص ہے عباس و ابوبکر کی خلافت کے باطل ہونے پر اور علاوہ اسکے یہ ہے کہ عباس کی خلافت والا قول تو جدید ہے اسلئے کہ اس کا موجد جاحظ ہے خلافت بنی عباس کے زمانہ میں اُس نے تقرب حاصل کرنے کے لئے یہ قول ایجاد کیا تھا جس کو ہر وہ شخص کہ جسے فی الجملہ بھی احادیث و اخبار میں بصیرت ہو جانتا ہے۔

چوتھے ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ علیؑ و عباس نے ابوبکر سے خلافت کے بارے میں کوئی منازعت نہیں کی بالکل غلط ہے اسلئے کہ اسی وقت سے نزاع کی ابتدا ہوئی اور اسکو ہم بہت تفصیل سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

پانچویں یہ کہنا کہ ایسے امور میں باوجود امکان کے منازعت نہ کرنا عصمت میں مخل ہے صحیح ہے لیکن اوس وقت امیرالمومنین کے لئے اُن لوگوں سے جنگ کرنے کا محل ہی نہ تھا اسلئے کہ تمام قریش ابوبکر کے ساتھ تھے اور بہت سے انصار کو بھی اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔

چھٹے یہ کہنا کہ ایسے وقت میں ترک منازعت گناہ کبیرہ ہے کہ جو عصمت میں رخنہ انداز

ہے یہ خود اوسکے قول کے منافی ہے اسلئے کہ وہ شرائط امامت کے ذکر میں کہہ چکا ہے
کہ گناہ کا صادر ہونا ملکہ عصمت میں مخل نہیں ہے (سچ ہے دروغگو را حافظہ نباشد۔ مترجم)
ساتویں اوس کا یہ کہنا کہ تم لوگ اسکے قائل ہو کہ علیؑ ابو بکر سے زیادہ شجاع اور امور
دین میں زیادہ سخت تھے اور قبیلہ بھی اون کا ابو بکر کے قبیلہ سے بڑا تھا اس کا جواب
یہ ہے کہ امیر المومنینؑ یقیناً ابو بکر سے اور فرداً فرداً دنیا کے تمام شجاعوں سے زیادہ شجاع
تھے لیکن یہ لازم نہ تھا کہ دنیا کے تمام لوگ ایک طرف ہو کر حضرت سے مقابل ہوں
اور حضرت سب کا تنہا مقابلہ کریں ایسے موقع پر جنگ ترک کر دینا مخل شجاعت و عصمت
نہیں ہو سکتا ورنہ جناب رسالتمآب صلعم کی عصمت بھی باقی نہیں رہتی۔ اسلئے کہ حضرت
نے اول امر میں تمام کفار کو کیوں قتل نہ کر دیا اور حدیبیہ میں کیوں کفار سے صلح کر لی۔
حالانکہ اوس وقت تو حضرت کے ہمراہ امیر المومنینؑ اور بہت سے اصحاب اور ابو بکر
اور عمر جن کو اہلسنت شجاع سمجھتے ہیں موجود تھے جو کچھ اسکے جواب میں کہا جا سکتا ہے
وہی ہمارا بھی جواب ہے لہذا امیر المومنینؑ کا جنگ ترک کر دینا ان ظاہری اسلام
والوں سے بالکل ٹھیک تھا اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ بنی ہاشم بنی تیم سے زیادہ تھے
نہ یہ کہ قریش کے تمام قبیلوں سے زیادہ جو کہ حضرت کی عداوت میں ابو بکر کی خلافت
کے معین ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی عداوت کی بنا پر جنگ صفین میں حضرت کے
ساتھ قریش کے صرف پانچ آدمی تھے یعنی (۱) محمد بن ابی بکر حضرت کے ربیب (۲) جعدہ
بن ہبیرہ مخزومی حضرت کے بھانجے (۳) ابو الربیع بن ابی العاص بن ربیعہ جو جناب رسالت
مآب کے داماد مشہور ہیں (۴) محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ معاویہ کے بھانجے (۵) ہاشم
بن عتبہ بن ابی وقاص سعد بن ابی وقاص کے بھتیجے۔ اور معاویہ کے ساتھ قریش کے
تیرہ قبیلہ با اہل و عیال تھے۔ چنانچہ حضرت نے اپنے بعض خطبوں میں اظہار شکایت کرتے
ہوئے فرمایا ہے کہ بار الہا میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ تو قریش سے میرا انتقام لے ان

لوگوں نے میری قرابت کو منقطع کردیا اور میرے ظرف کو الٹ دیا اور میرے حق کے چھیننے پر اجماع کرلیا ایسا حق کہ جس کا میں زیادہ حقدار تھا اور ان لوگوں نے مجھے کہا کہ یہ بھی حق ہے کہ تم خلافت لے لو اور یہ بھی حق ہے کہ تمکو نہ دی جائے تو یا تو اس غم پر صبر کرو یا افسوس کرتے کرتے مرجاؤ۔ میں نے جو دیکھا تو کوئی میرا مددگار و ہمدرد سوائے میرے اہلبیت کے نہیں ہے پس میں نے موت سے اس امر میں بخل کیا کہ اپنے اہلبیت کو اُسے دیدوں لہذا میں نے ایسی ایسی باتوں پر صبر کیا کہ جو علقم سے زیادہ تر تلخ اور چھریوں سے زیادہ تر قلب کے لئے ایذا رساں تھیں ختم ہوا کلام مبارک۔ اسی طرح ہمنے نص کے متعلق یہ کہا تھا کہ وہ لوگوں کے اور انصار کی دیکھی سنی ہوئی تھی نہ یہ کہ مخالفین ان کو دھوکہ میں بھی نہیں ڈال سکتے تھے اُن وجوہ سے کہ جن کا ہم تفصیلاً ذکر کرچکے ہیں۔ لیکن ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ انصار بھی ابوبکر کو علیؑ پر ترجیح نہیں دیتے تھے یہ خود اس امر کا ثبوت ہے کہ قریش نے ابوبکر کو محض امیر المومنین کی عداوت کیوجہ سے ترجیح دی لیکن اوس کا یہ کہنا کہ انصار بمنزلہ ایک لشکر عظیم کے تھے مسلّم نہیں ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے تو رسالتمآب صلعم جانتے تھے کہ میری وفات کے بعد انصار کی کیا حالت ہوجائیگی کہ آپسمیں ایک دوسرے کو ذک دینگے اور نقصان پہونچائیں گے چہ جائیکہ امیر المومنین کو۔ آٹھویں یہ کہ عباس و زبیر کی اعانت تمام قریش کے مقابلہ کے لئے کافی نہ تھی اور ابوسفیان تو منافق ہی تھا اوسکی غرض اس سے یہ تھی کہ فتنہ برپا ہوجائے نہ یہ کہ وہ حضرت کی مدد کرتا اور چونکہ حضرت کو اس کا علم تھا لہذا اونھوں نے اوس سے اعراض کیا اور فرمادیا کہ تو منافق ہے تیرے قول کا اعتبار نہیں اسلئے جب ابوبکر و عمر نے یہ سنا کہ ابوسفیان نے حضرت سے یہ کہا ہے تو اُنہوں نے اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اُسکے بیٹے یزید کو شام کا والی بناکر اپنی طرف کرلیا چنانچہ وہ اُن کا معین ہوگیا علاوہ اسکے ابوسفیان و زبیر و عباس نے یہ اُس وقت کہا تھا کہ

جب اکثر قریش اور انصار نے ابوبکر کی بیعت پر ناگہانی طور سے اتفاق کر لیا تھا اور اُن سے جنگ کرنا فساد کا باعث تھا۔

لیکن نویں وجہ پس ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ ابوبکر شیعوں کے نزدیک کمزور رذیل مفلس بڈھا تھا مسلم ہے اور حق ہے اسلئے کہ کسی کو اُسکی کمزوری اور رذالت و تنگی میں شبہہ نہیں ہے۔ جیسا کہ خود اُسکے باپ ابو قحافہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور قریش نے اُس کی خلافت پر اتفاق کرنے پر تعجب کیا ہے چنانچہ ابن حجر نے صواعق میں ذکر کیا ہے کہ حاکم نے روایت کی ہے کہ ابو قحافہ نے جب یہ سنا کہ اُن کے صاحبزادے خلیفہ ہو گئے تو کہا کہ کیا بنی عبد مناف و بنی مغیرہ اس پر راضی ہو گئے تو سب نے کہا کہ ہاں تو کہنے لگے کہ لا واضع لما رفعت ولا رافع لما وضعت یعنی جسکو تو پست کرے اُسے کوئی بلند نہیں کر سکتا اور جسکو تو بلند کرے اُس کو کوئی پست نہیں کر سکتا اور ابوبکر کو امر خلافت میں صرف اکثر قریش کے اتفاق کر لینے سے تقویت ہوئی کیونکہ اونھوں نے امیر المومنین کی عداوت میں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ ابوبکر کی اعانت کریں گے جیسا کہ کئی مرتبہ ذکر ہو چکا ہے ورنہ خود ابوبکر میں کوئی قوت نہ تھی۔ اور یہ اُن لوگوں کی چالاکی تھی کہ اُنھوں نے ایک ایسے کمزور کمینہ بڈھے کا انتخاب کیا تاکہ خود غرضی و عداوت کی تہمت سے بچ سکیں اور یہ لوگ یہ کہہ سکیں کہ اگر اُن کی غرض یہ ہوتی کہ علیؑ کو حق خلافت سے علٰحدہ رکھیں تو اشراف اکابر قریش میں سے کسی کو خلیفہ کرتے یا خلافت کو تقسیم کر لیتے اور اس امر کا مظہر یہ ہے کہ مشکوۃ وغیرہ میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ آنحضرت نے فرمایا تھا کہ اگر تم لوگ اپنی حکومت علیؑ کو دو حالانکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسا نہ کرو گے تو اُن کو ایسا ہدایت یافتہ ہادی پاؤ گے جو تم کو راہ راست پر لے چلے اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ قریش کو امیر المومنین سے ایسی مخالفت و عداوت تھی جس کی وجہ سے آنحضرت صلعم کو بھی اس کا ظن غالب تھا کہ یہ لوگ حضرت کی امامت میں رخنہ

اندازی کریں گے اور اسی کی موید وہ روایت بھی ہے کہ جسکو ابن حجر نے صواعق محرقہ میں روایت کیا ہے کہ عباس نے آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ قریش ہم کو دیکھکر ترش رو ہو جاتے ہیں اور اگر باتیں کرتے ہوتے ہیں تو ہم کو دیکھکر چپ ہو جاتے ہیں یہ سنکر آنحضرتؐ کو بہت سخت غصہ آیا یہاں تک کہ چہرہ سرخ ہو گیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان رگ ابھر آئی اور فرمایا کہ قسم ہے اُس خدا کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی کے قلب میں ایمان جاگزین نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تم کو خدا کے لئے اور میرے لئے دوست نہ رکھتا ہو اور اسی کی موید دوسری روایت ہے کہ جس کو ابن حجر نے دوسرے مقام پر روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے اہلبیت عنقریب میرے بعد میری امت کے ہاتھوں قتل کیے جائینگے اور تمام قوموں میں سب سے زیادہ ہمارے دشمن بنی امیہ و بنی مغیرہ و بنی مخزوم ہیں اور اس روایت کو حاکم نے بھی صحیح کہا ہے اور ابن حجر نے ایک مقام پر عبداللہ بن احمد بن خلیل سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے علیؑ و معاویہ کے بارہ میں دریافت کیا تو اوس نے کہا کہ علیؑ کے دشمن بہت سے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ کوئی نقص یا عیب حضرت کا ڈھونڈھیں لیکن جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو ایسے شخص کے پاس آئے کہ جس سے حضرت نے جنگ کی تھی (یعنی معاویہ) اور اپنی مکاری و کیادی سے اوسکی مدح و ثنا کرنا شروع کر دی۔ انتہی اسکی تائید کی یہ وجہ ہے کہ امیر المومنینؑ کے دشمن اُس زمانہ میں یہود و نصاریٰ اور جنگلی عرب نہ تھے بلکہ یہی قریش تھے پہلے تو اُنھوں نے ایک شخص کو (یعنی ابوبکر کو) اس طرح مدد پہونچائی کہ اُس نے امیر المومنینؑ سے خلافت بغیر تیغ و تفنگ کی مدد کے چھین لی اُسکے بعد اُن کے ایک دشمن (یعنی معاویہ) کو کھڑا کر دیا جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ہے اور ان سب امور کی توضیح اُس خطبہ سے ہوتی ہے کہ جس کا نام خطبہ طالوتیہ ہے جس کو حضرت نے

اپنے دوستوں اور منافقوں سے خطاب کرکے فرمایا تھا چنانچہ حضرت بعد حمد وثنا
کے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے ہو کہ جن کو دھوکا دیا گیا اور وہ دھوکا کھا گئے
اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی کی اور گمراہی کی تاریکی میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ حق
اُن کے لئے ظاہر ہوا مگر انھوں نے اُسکو چھوڑ دیا اور راہ راست ظاہر ہوئی مگر اُس کو
ترک کر دیا قسم ہے اُس خدا کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور درخت کو پیدا کیا اگر تم علم
کو اُس کے معدن سے لیتے اور پانی کو چشمہ سے پیتے اور راہ راست کو اختیار
کرتے اور حق کے راستہ پر چلتے تو راستہ تمھارے لئے صاف ہو جاتا اور نشانیاں راستہ
کی ظاہر ہو جاتیں اور اسلام تمھارے لئے روشن ہو جاتا تو غذا تمھاری خوشگوار ہوتی اور
کوئی تم میں فقیر نہ ہوتا اور کوئی مسلم اور ذمی مظلوم نہ ہوتا تم تو تاریک راستہ پر چلے
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا باوجود اپنی وسعت کے تمھارے لئے تاریک ہو گئی اور علوم کے
دروازہ تمھارے لئے بند ہو گئے پس تم اپنی خواہشات کے موافق گویا ہوئے اور دین
میں تم نے اختلاف کیا پس بغیر علم کے تم نے دین خدا میں فتویٰ دینا شروع کیا اور گمراہوں
کی پیروی کی پس اُنھوں نے تم کو بھی گمراہ کر دیا اور ائمہ کو تم نے چھوڑ دیا پس اُنھوں نے
بھی تم کو چھوڑ دیا اب تمھاری یہ حالت ہے کہ خواہشات نفس سے تم حکم کرتے ہو لیکن
عنقریب تم کو اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔ قسم بخدا تم کو معلوم ہے کہ میں تمھارا حاکم ہوں اور
وہی ہوں جس کی پیروی کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور میں ہی تمھارا وہ عالم ہوں کہ جسکے
علم کی وجہ سے تم کو نجات ملے گی اور تمھارے نبی کا وصی ہوں اور تمھارے خدا کا
منتخب کردہ ہوں اور زبان نور ہوں تمھارے لئے اور ان چیزوں کا عالم ہوں
جو تمھارے مصلح ہیں عنقریب تم پر وہ چیز نازل ہوگی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے
اور تم سے پہلے جو امتیں تھیں اُن پر نازل ہو چکی ہے (یعنی عذاب اختلاف و
تفرق) عنقریب خداوند عالم تم سے سوال کرے گا تمھارے پیشواؤں کے بارے

ہیں (یعنی جن کی ناحق تم نے پیروی کی ہے) اور اُنھیں کے ہمراہ تم محشور کیے جاؤگے اور کل خدا کی طرف تم کو جانا پڑیگا۔ قسم بخدا اگر میرے پاس اتنے بھی آدمی ہوتے جتنے کہ طالوت کے پاس تھے یا جتنے اہل بدر تھے تو میں تم سے جہاد کرتا اور تم حق کی طرف رجوع کرتے اور راستی کو پہچانتے اور یہ طریقہ رخنہ کی اصلاح کے لیے بہتر ہوتا اور نرمی کو زیادہ پیدا کرتا خدایا تو ہمارے درمیان سچا فیصلہ کر اس لئے کہ تو بہترین حکم کرنے والوں میں سے ہے۔ **دسویں** وجہ ابن روزبہان کا یہ قول کہ صحابہ کو سلطنت کی خواہش نہ تھی اس قول میں جو آثار تعصب و خود غرضی و مرض کے ہیں وہ ظاہر ہیں اس لئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ نے خلافت حاصل کرنے میں کیا کیا حیلہ و مکاریاں کی ہیں اور نیز صنعانی نے کتاب مشارق میں بخاری سے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے اصحاب سے خطاب کرکے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ حکومت پر خواہش کروگے اور یہ حکومت سبب ندامت ہوگی بروز قیامت پس کیا اچھی مرضعہ ہے اور کسقدر بری دودھ چھڑانے والی ہے۔ **قول مترجم** (یعنی آنحضرت صلعم نے حکومت و خلافت کو آغاز میں مرضعہ سے تشبیہ دی ہے جو طفل کو محبوب ہوتی ہے اور انجام میں تشبیہ دی ہے دودھ چھڑانے والی عورت سے جو طفل کو بہت مکروہ ہوتی ہے حاصل یہ ہے کہ دنیا میں حکومت اچھی معلوم ہوگی اور آخرت میں اُس کے نتائج بد پیش آئیں گے) اور بتحقیق کہ شارح مقاصد نے الصبانت و اعتراف سے ظاہر کیا ہے جو کچھ کہ صحابہ کے درمیان میں امر خلافت کے متعلق محنت ہوئی اور اس کا بھی اظہار کیا ہے کہ کیا کچھ زحمتیں و بلائیں خلافت کے بارے میں لوگوں کو پہونچیں لیکن ابن روزبہان نے اپنی حماقت و بے عقلی سے جو جو مہمل تاویلیں اس بارہ میں کی ہیں وہ کچھ مفید نہیں ہیں اور اب ہم قول شارح مقاصد کو ذکر کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو زیادہ انتظار کی تکلیف آئندہ نہ ہو پس ہم کہتے ہیں

کہ خداوند عالم نے شارح مقاصد کی زبان پر امر حق کو جاری کر دیا ہے پس اُس نے ابن روزبہان کے خلاف یہ بیان کیا ہے کہ جو کچھ صحابہ کے درمیان میں مخالفتیں واقع ہوئی ہیں اور وہ سب کتب تواریخ میں مذکور اور معتبر لوگوں کی زبان پر مشہور ہیں ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض صحابہ طریق حق سے پھر گئے تھے اور ظلم و فسق بیجد کرنے لگے اور باعث ان امور کا یہ تھا کہ اُن کے دلوں میں کینہ و عداوت و بغض و حسد تھا اور طلب ملک و ریاست و لذات و شہوات دنیویہ کی طرف اُن کی طبیعتیں مائل ہو گئیں تھیں کیونکہ ہر صحابی معصوم نہیں ہے اور نہ یہ بات ہے کہ جس نے رسول صلعم کی ملاقات کر لی تھی وہ نیکی سے موصوف ہو آگاہ ہو تحقیق کہ علمائے اسلام نے بسبب حُسن ظن کے اصحاب رسول کے ساتھ اُن کے افعال کی تاویلیں کی ہیں اور اُن کی یہ رائے ہوئی ہے کہ صحابہ رسول فسق و ضلالت سے محفوظ تھے صرف اس وجہ سے کہ عقائد عامہ مسلمانوں کے اصحاب کبار رسول کی بہ نسبت کجی و گمراہی سے محفوظ رہیں اور اُن کے حق میں کوئی امر خلاف نہ کہیں خصوصاً اصحاب مہاجرین اور انصار کہ جن کو دار آخرت میں ثواب کی بشارت دی گئی ہے اور جو کچھ اصحاب مہاجرین و انصار کے بعد اہل بیت نبیؐ پر مظالم ہوئے وہ ایسے ظاہر و آشکار ہیں کہ کسی طرح مخفی نہیں رہ سکتے اور جو کچھ بدی واقع ہوئی ہے وہ صاحبان عقل پر واضح ہے وہ مصائب اہلبیت ایسے ہیں کہ جمادات بھی گویا اُس پر شاہد ہیں اور آنحضرت کی مصیبت پر اہل آسمان و اہل زمین بکا کرتے ہیں اور پہاڑ بھی ان مصیبتوں پر منہدم ہوتے ہیں اور پتھر بھی شق ہو جاتے ہیں اور ان بدکرداریوں کا برا نتیجہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیگا پس خدا کی لعنت ہو اُس پر جو ان اہل بیت کے مظالم کرنے میں شریک ہوا یا راضی رہا یا اُن پر ظلم کرنے میں سعی کی اور ہر آئینہ عذاب دار آخرت شدید تر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے ختم ہوا کلام شارح مقاصد **گیارہویں وجہ** ابن روزبہان

کا یہ کہنا کہ حق وہی ہے جس پر امت کے سواد اعظم نے اتفاق و اجماع کر لیا ہے (یعنی خلافت ابو بکر پر) یہ مردود ہے اس طرح کہ اتفاق سواد اعظم یعنی اکثر مردم کا اتفاق کرنا جیسا کہ ابن روزبہان نے سمجھا ہے ایسی بات ہے کہ جس کو پسند نہیں کرینگے مگر وہ جن کے دل معرفت حق و یقین سے خالی ہوں اور رسول خدا صلعم کے اس قول سے غافل اور بے خبر ہوں کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کے سب فرقے داخل جہنم ہونگے اور صرف ایک نجات پائیگا پس آنحضرت صلعم کا یہ قول دلیل ہے اس امر پر کہ ناجی قلیل بلکہ نادر ہیں بہ نسبت اُن کثیر آدمیوں کے جو ہلاک ہونے والے ہیں اور تحقیق کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس بات پر نص فرمادی ہے وقلیل ما ھم وقلیل من عبادی الشکور وما اٰمن معہ الا قلیل وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ولکن اکثر الناس لا یومنون۔

اور علاوہ ان کے اور بہت سی آیات ہیں اور امر حق یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواد اعظم سے جو ارادہ فرمایا ہے اپنے اس قول میں کہ علیکم بالسواد الاعظم یعنی تم پر سواد اعظم کی پیروی کرنا لازم ہے اس سے مراد کتاب خدا و عترت ہے جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا یا مراد سواد اعظم سے مخصوص جناب امیر المومنین علیہ السلام ہیں جیسا کہ اس کی طرف زمخشری و فخر الدین رازی نے اپنی تفسیروں میں اشارہ کیا ہے اس لئے کہ آنحضرت کی شان میں آیہ وتعیہا اذن واعیہ نازل ہوئی جیسا کہ مصنف یعنی علامہ حلی آیندہ ذکر فرمائیں گے اور زمخشری و فخر الدین رازی نے تفسیر میں اس آیہ کے بیان کیا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ خداوند عالم نے اذن واعیہ بصیغہ توحید و تنکیر کیوں ارشاد فرمایا ہے تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ صیغہ واحد اذن واعیہ کا ... ہے

اور اس میں زجر و توبیخ بھی ہے کہ لوگوں میں یاد رکھنے والے بہت کم ہیں اور
اس قول باری تعالیٰ میں دلالت ہے اس امر پر کہ ایک کان جبکہ ایسا ہو کہ جو
کچھ سماعت کرے اُس کو یاد کرے پس وہی سوادِ اعظم ہے اور جو اُس کے ماسوا ہے
اُس کی طرف التفات نہ ہوگا اگرچہ نہ سننے والوں کی تعداد سے عالم مملو ہو جائے
ختم ہوا کلام زمخشری و فخر الدین رازی کا پس ظاہر ہوا کہ اس حدیث نبوی سے
ہمارا فائدہ ہے نہ کہ ہمارا ضرر ہو۔

بارہویں وجہ یہ ہے کہ ابن روزبہان کا امام کے لئے وجوب عصمت کی
شرط نہ کرنا اس کو ہم سابق میں رد کر چکے ہیں اور ہم نے اُس کی دلیل کو عدم کی
تاریکیوں میں ڈال دیا ہے اور اسی طرح ہم اس بات کو بھی جو جواب دلیل دوم میں
اُس نے کہی ہے کہ امام سے سابق میں معصیت نہ ہونا شرط نہیں ہے رد کر آئے
ہیں اور یہاں اس شرط ہونے پر قول باری تعالیٰ کو ہم دلیل لاتے ہیں کہ وہ
فرماتا ہے لاینال عھدی الظالمین اور یہ قول حق سبحانہ و تعالیٰ کا جواب ہے
جناب ابراہیم علیہ السّلام کے سوال کا جبکہ آنحضرت نے اپنی ذریت کے لئے امامت
کا سوال کیا تھا اور بارگاہ احدیت میں عرض کیا ومن ذریتی تو جواب میں یہ
حکم ہوا کہ لاینال عھدی الظالمین اے ابراہیم میرا عہد ظالمین کو نہیں پہونچتا
ہے یعنی تمھاری ذریت میں جو لوگ معصوم نہیں ہیں اُن کو امامت نہ ملیگی۔

دلائل امامت جناب امیر المومنین علیہ السّلام از آیات قرآنیہ

کلام علامہ حلی علیہ الرحمۃ

امامت کے وہ دلائل کہ جو منقول ہیں دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو قرآن میں مذکور

پہلی دلیل

دلائل امامت جناب امیر از آیات قرآنیہ

ہیں اور ایک وہ جو سنت میں ہیں، لیکن جو قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ چند آیات ہیں پہلی آیت ولایت ہے اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ۔ اس آیت پر اجماع ہے کہ یہ شان میں جناب امیرالمومنینؑ کے نازل ہوئی جبکہ امیرالمومنین علیہ السّلام نے بحالت رکوع بموجودگی صحابہ مسجد رسول میں خاتم تصدق فرمایا اور یہ امر کتب صحاح ستہ[1] میں مذکور ہے اور مراد ولی سے متصرف وحاکم فی الامور ہے اور تحقیق کہ خداوند عالم نے اپنی ذات کے لئے ولایت وحکومت کو ثابت کیا ہے اور شریک ہوئے جناب رسول خدا و جناب امیرالمومنین علیہما السّلام ولایت خدا کے ساتھ اور جس طرح ولایت وحکومت خدا کی عام ہے پس اسی طرح نبیؐ اور ولی کی بھی ولایت عام ہوگی۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ مراد ولی سے اس آیت میں ناصر (مددگار) ہے کیونکہ لفظ ولی مشترک ہے معنوں میں اور ولی متصرف کے معنوں میں بھی ہے اور مددگار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور محب کے لئے آتا ہے اور ولی کے معنی اولیٰ بالتصرف کے ہیں جیسے ولی کسی لڑکے یا عورت کا اور لفظ مشترک جبکہ متردد ہو اپنے معنی میں تو اس وقت قرینہ کا وجود لازم ہوتا ہے جو معنی مطلوب کیلئے معین ہو اور اس مقام پر ایسا ہی ہے پس یہ لفظ اس آیت میں امامت علیؑ کیلئے نص نہیں ہے اور جب امامت پر نص نہ ہوگا تو اس آیت سے علامہ کا استدلال باطل ہے لیکن اس امر کے قرائن کہ آیت میں مراد ولی سے ناصر ہیں نہ کہ اولیٰ بالتصرف کے پس وہ موجود ہیں کیونکہ اگر لفظ ولی سے مراد اولیٰ بالتصرف کی ہوگی تو یہ مراد غیر مناسب ہے اس سے جو کچھ کہ قبل آیت ذکر کیا گیا ہے اور وہ یہ قول ہے خداوند عالم کا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا

[1] اسی وجہ سے اس کو ابن اثیر نے جامع الاصول میں ذکر کیا ہے۔ مترجم

الیهود والنصاریٰ بعضهم اولیاء بعض کیونکہ اس آیت میں مراد اولیا سے انصار ہے نہ کہ اولیٰ بالتصرف اور اگر لفظ ولی سے مراد حاکم و متصرف فی الامر کے ہونگے تو ما بعد آیت مذکورہ کے جس کا ذکر کیا گیا ہے اُس کے بھی غیر مناسب ہوگا اور ما بعد آیت یہ ہے خدا فرماتا ہے ومن یتول اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا فانّ حزب اللہ هم الغالبون۔ پس تولی اس مقام پر بمعنی محبت و نصرت کے ہیں پس واجب ہے کہ جو درمیان ہے اُن دونوں مرادوں کے وہ بھی حمل کیا جائے نصرت و محبت پر تاکہ اجزاء کلام الٰہی میں تناسب باقی رہے۔ ختم ہوا قول ابن روزبہان کا۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

ابن روزبہان کے اس جواب میں نظر ہے کئی وجہوں سے پہلی یہ کہ قرینہ اس بات کا کہ مراد لفظ ولی سے اولی بالتصرف ہے نہ معانی دیگر یہاں موجود ہے کیونکہ حصر ولایت کا اُن مومنین میں جن کی صفت اس آیت میں بیان کی گئی ہے ساتھ زکوٰۃ دینے کے حالت رکوع میں دلالت کرتا ہے کہ یہاں مراد معنی نصرت کے نہیں ہیں ورنہ بسبب مقتضائے حصر کے یہ لازم آئے گا کہ ہر مومن کہ جو ولی ہو اُس کے لئے یہ شرط مطلقاً ہو کہ وہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتا ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے اور فساد اس قول کا ظاہر ہے بہرحال حاصل بحث یہ ہے کہ اگر ارادہ کیا جائے ولی سے ناصر کا اور ارادہ کیا جائے الذین اٰمنوا سے وہ جماعت مومنین کی جن کا متصف ہونا نصرت سے ممکن ہے پس اس وقت میں حصر مستقیم و صحیح رہیگا لیکن وصف زکوٰۃ کے دینے کا حالت رکوع میں مستقیم نہ رہیگا اور اگر لفظ ولی سے ناصر کا ارادہ کیا جائے اور الذین آمنوا سے مراد جناب امیر المومنین علیہ السّلام ہوں تو حصر باطل ہو جاتا ہے اور اگر ولی سے اولی بالتصرف مراد لیا جائے اور امیر المومنین

علیہ السّلام مقصود ہوں تو ایسی حالت میں حصر اور وصف دونوں مستقیم اور صحیح رہیں گے کیونکہ حالت رکوع میں زکوۃ دینا شان سے اُس امام کے ہونا جو اولی بالتصرف ہو غیر مستبعد ہے (یعنی امام کے لئے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ موصوف ہو زکوٰۃ دینے کے ساتھ رکوع میں) بلکہ یہ مروی ہے کہ یہ بزرگی و کرامت باقی ائمہ معصومین علیہم السّلام کے لئے بھی واقع ہوئی ہے (یعنی علاوہ جناب امیر المومنین علیہ السّلام کے دیگر ائمہ معصومین علیہم السّلام نے بھی حالت رکوع میں زکوۃ دی ہے سبحان اللہ مترجم)

دوسری وجہ نظر کی یہ ہے کہ ولایت بمعنی امامت اور تصرف فی الامور عام ہے ولایت سے بمعنی تصرف فی الجملہ کے پس نفی کرنا ولایت کی بمعنی امامت کے مفید ہے نفی کی اُس ولایت کے لئے جس کی نفی کی گئی ہے یہود و نصاریٰ سے آیت اولیٰ میں بنا بر وجہ کامل کے اس لئے کہ نفی عام کی نفی خاص کی ہے مع امر زائد کے پس یہ امر نفی کرنے میں تمام تر ہے پس مناسبت حاصل ہو جائیگی آیت اولیٰ سے اور اسی طرح کلام کیا جائے گا مابعد آیت میں کہ وہاں بھی ویسی ہی نفی ولایت مراد ہے جیسی کہ آیت سابقہ میں نفی مراد ہے پس کوئی دلالت آیہ میں اُن کے مقصود پر نہ ہوگی الا جبکہ حزب اللہ کو بمعنی انصار اللہ لیں جیسا کہ بعض نے کہا ہے اور یہ بالکل ضعیف ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو اور نیز یہ کہ عطف اس آیت میں دلیل ہے اس بات پر کہ تینوں ذاتوں کے لئے ولایت مخصوص ہے جس معنوں سے ہو اور یہ امر مخفی نہیں ہے کہ نصرت خدا اور اُس کے رسول کے مومنین کے لئے مشتمل ہے اور پر تصرف فی الامر کے خدا و رسول م کے لئے پس اسی طرح نصرت اُن لوگوں کی جو ایمان لائے ہیں شامل ہو گی تصرف امر پر زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تصرف فی الامر مفہوم مشکک ہوگا کہ جو مختلف ہوگا اولیت و اولویت اور اشدیت کے ساتھ (یعنی تصرف فی الامر پہلے خدا کے لئے ہے پھر رسول کے لئے پھر الذین امنوا کے لئے اور اسی طرح اولویت اور اشدیت

سو سمجھو بلکہ دس معانی جو اہل لغت نے ولی کے لئے ذکر کئے ہیں اُن سب کا مرجع اولیٰ بالتصرف کی طرف ہے کیونکہ مالک الرق کہ جو ایک معنی اُن میں سے ہے وہ اولیٰ ہے اپنے مملوک کے ساتھ تصرف امر میں اور مملوک اپنے مالک کے ساتھ اور اسی طرح معتِق (آزاد کرنے والا) اولیٰ بالتصرف ہے اپنے معتَق کے ساتھ جو آزاد کیا گیا ہو) اور بالعکس بھی یہی امر ہے اور اسی طرح جار (ہمسایہ) جار کے ساتھ اور حلیف (ہم سوگند) حلیف کے ساتھ اور ناصر (مددگار) منصور کے ساتھ اور ابن عم اولیٰ بالتصرف ہوگا اپنے ابن عم کے ساتھ پس یہ کل معنی کہ جو ذکر کئے گئے اور نیز وہ معنی کہ جو نہیں ذکر ہوئے سب اولیٰ ہیں اپنے صاحب کے لئے اُس شخص سے کہ جس کو یہ ولایت نہیں حاصل ہے جیسا کہ غور کرنے والے پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔

تیسری وجہ۔ یہ کہ آیات کا موافق ہونا اُس وقت واجب ہوگا جبکہ توافق سے کوئی مانع موجود نہ ہو اور جبکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حمل کرنا لفظ ولی کا بمعنی ناصر و دوست وغیرہ کے اس مقام پر مراد نہیں ہے تو یہ مانع موجود ہے پس تینوں آیتوں میں موافقت ضروری نہیں قرار پائی اس کے علاوہ یہ تینوں آیتیں ایک مرتبہ نازل نہیں ہوئی ہیں تاکہ ایک دوسرے میں ربط و مناسبت کا ہونا ضروری تسلیم کیا جائے پس یہ اعتراض حقیقت میں اُن کے خلیفہ حضرت عثمان پر ہی وارد ہوتا ہے کہ اُنھوں نے تمام مصاحف کو ایک مصحف کے مطابق جمع کر دیا ہے اور تحریف کلمات اپنے مقامات سے اُنھوں نے کی ہے اور جیسا کہ چاہیئے تھا ترتیب آیات کو اُس طرح مرتب نہیں کیا اور قرآن کے اس طرح غیر مرتب جمع کرنے میں خلیفہ کے لئے بہت سے اغراض تھے کہ جو اہل بصیرت پر مخفی نہیں ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ابن روزبہان کا تفریع کرنا چونکہ اول کی آیت اور آخر کی آیت میں مراد محبت و نصرت ہے لہٰذا وسط کی آیت میں بھی لفظ ولی سے ناصر

ومحب کا مراد لینا واجب ہے محل تامل ہے کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے اور
یہ جو اُس نے کہا ہے کہ لفظ ولی کے ایک ہی معنی مراد لینے سے ربط اجزاء کلام باقی
رہیگا پس یہ دلیل اُس کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں
جبکہ دلیل اس امر کی موجود ہے کہ آیت وسط میں نصرت کے معنی مراد لینا صحیح نہیں
ہیں پس تم اس بات میں غور کرو۔ اور تحقیق کہ اس آیت کے ساتھ حجت لانے پر بعض
متعصبین نے یہ بھی اعتراض کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ تم لوگ (اہل تشیع) یہ کہتے ہو کہ علی
علیہ السلام کو حالت نماز میں خضوع و خشوع اور استغراق جمیع حواس اور توجہ الی الحق بہت
ہوتا تھا یہاں تک تم لوگ اس امر میں مبالغہ کرتے ہو اور بیان کرتے ہو کہ آنحضرت کے
جسم مبارک سے اُس پیکان کے نکالنے کا ارادہ کیا گیا جو کسی لڑائی میں پیوست
ہوگیا تھا پس نماز کے وقت تک اُس تیر کو نہیں نکالا گیا اور بوقت نماز اُن جناب
کے جسم مبارک سے نکال لیا گیا اور اُن کو بسبب استغراق و توجہ الی الحق کے مطلق
اُسکی اذیت کا احساس نہیں ہوا پس جب یہ حالت اُن جناب کی نماز میں ہو تو
کیونکر سائل کا آنا محسوس ہوا یہاں تک کہ انگوٹھی حالت رکوع میں اُس کو مرحمت
فرمائی۔ بعض علمانے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے اور اُس کو نظماً ادا کیا ہے
شاعر کہتا ہے کہ ممدوح ایسا ہے کہ عطا کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے لیکن اُس کا نشہ
اُس کو اپنے دوست سے غافل نہیں کرتا ہے۔ اور نہ وہ کاسہ سے غافل ہوتا ہے
اُس کا نشہ اُسکی اطاعت میں ہے یہانتک کہ وہ ہوشمند لوگوں کے فعل پر قادر
ہے پس ایسا شخص کہ جو حالت نشہ میں بھی ہوشمند رہے افضل ترین مردم ہے اور
حاصل جواب یہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السّلام گو کہ اُس حالت میں تھے جسکو
معترض نے ذکر کیا ہے۔ لیکن پھر آپ کو التفات ہوا اور سائل اور اُسکے سوال
کرنے کا ادراک ہوا تو اس التفات سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت کسی اور کی جانب

ملتفت تھے کیونکہ آپ نے ایسا فعل کیا کہ جس کی انتہا بھی حق کی طرف عود کرتی تھی. بس وہ جناب مثل اُس شراب محبت پینے والے کے تھے جو حالت نشہ میں بھی ایسا فعل کرے جو موافق ہو فعل سے ہوشمندوں کے اور وہ ایسی حالت میں نہ تو اپنے ندیم سے اور نہ جام سے غافل ہوتا ہے اور نہ اس فعل کی وجہ سے اپنے نشہ سے خارج ہوتا ہے پس اس بات میں غور کرو۔ جناب قاضی سید نور اللہ شہید ثالث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اور میں اُس کے جواب میں یہ بھی کہتا ہوں کہ منتہائے امر یہ ہے کہ وہ جناب اس مرتبہ پر فائز ہوں گے جو حاصل ہوتا ہے اولیاء کے لئے وحدت سے کثرت میں اور خلوت سے جلوت میں اور تحقیق کہ متصوفین اہلسنت کے فرقہ نقشبندیہ نے یہ مرتبہ اپنے لئے ثابت کیا ہے اور یہ امر اُن لوگوں میں مشہور ہے کہ وہ کہتے ہیں خلوت در انجمن میدایم پس اس مرتبہ کی مثال امیر المومنین علیہ السّلام کے نفس میں حاصل ہونے سے یہ لوگ ناحق نزاع کرتے ہیں۔ باراہا مگر یہ کہ کہا جائے کہ فرقہ نقشبندیہ چونکہ اپنے خرقہ تصوف کی نسبت ابوبکر کی طرف دیتے ہیں اور اُن کے لئے برکات ابوبکر سے وہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے کہ جو امیر المومنین علیہ السّلام کے لئے حاصل نہیں ہو سکتا تو یہ وہ کلام ہے کہ اس کو سوائے عضب الٰہی کے اور کوئی شے دفع نہیں کر سکتی۔

ذکر امیر علامہ حلّی علیہ الرحمہ

دوسری دلیل

دوسری آیت قرآن مجید کی یاایّھا الرسول بلّغ ما اُنزل الیک من ربّک وان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ہے اسکے متعلق جمہور مفسرین نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت بروز غدیر خم بیان فضل جناب امیر المومنین علیہ السّلام میں نازل ہوئی پس جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کے ارشاد فرمایا کہ ایّھا الناس الست اولی بکم من

انفسکم قالوا بلیٰ یارسول اللہ قال من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ
اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل
من خذلہ وادر الحق معہ کیف ما دار۔ یعنی اے گروہ مردم آیا میں تمہارے
نفسوں سے زیادہ تمہارا حاکم اور متصرف فی الامور نہیں ہوں سب نے بالاتفاق عرض کیا
کہ بیشک آپ ہمارے نفسوں سے زیادہ ہمارے حاکم و متصرف ہیں پھر آنحضرت صلعم
نے فرمایا کہ جس کا میں مولیٰ و حاکم ہوں اُسکے مولیٰ و حاکم یہ علیؑ ہیں پروردگارا جو علیؑ کو دوست
رکھے تو اسکو دوست رکھ اور جو اسے عداوت رکھے تو بھی اُس کو دشمن رکھنا اور جو علی کی نصرت
کرے تو اُس کی مدد کرنا اور جو شخص علیؑ کو چھوڑ دے تو بھی اُس کو چھوڑ دینا بارالٰہا
تو حق کو علیؑ کے ساتھ پھیر جدھر وہ پھریں اور مولیٰ کے معنی اولیٰ بالتصرف کے ہیں
بسبب اس دلیل کے کہ رسولخدا صلعم نے الست اولیٰ بکم من انفسکم
اس حدیث کے اول میں ارشاد فرمایا ہے اور آنحضرت کا اولیٰ بالتصرف ہونا مسلم ہے
اور سوائے اولیٰ بالتصرف کے اور کوئی معنی درست نہیں ہو سکتے ختم ہوا کلام علامہ

قول ابن روزبہان

علامہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ مفسرین کا اجماع اسپر ہے کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل
ہوئی پس یہ باطل ہے کیونکہ مفسرین نے اس آیت کے نزول بشان علیؑ پر اجماع نہیں
کیا ہے لیکن یہ جو روایت کی ہے کہ رسولخدا صلعم نے اس حدیث کو بروز خم غدیر
اُس وقت ذکر فرمایا جبکہ جناب علیؑ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اور
کہا الست اولیٰ بکم پس یہ روایت صحاح میں ثابت ہے اور بتحقیق کہ ہمنے
اس کا ذکر ترجمہ کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں بھی کیا ہے جس کا مجمل یہ ہے کہ
واقعہ غدیر خم بوقت حج آخری رسولخدا صلعم واقع ہوا اور جبکہ مقام غدیر خم قبائل

عرب کے علیحدہ ہونے کی جگہ تھی اور آنحضرتؐ جانتے تھے کہ آپکی عمر آخر ہے اور اب اس کے بعد پھر آپ کے پاس اسقدر قبائل کبھی جمع نہوں گے پس آپ نے یہ قصد فرمایا کہ اہل عرب کو اس امر کی وصیت کردیں کہ وہ آپ کے اہلبیت و قبیلہ سے محبت قائم رکھیں اور اس امر میں کچھ شک نہیں ہے کہ علیؑ بعد رسولخدا سید بنی ہاشم و بزرگترین اہلبیت رسولؐ تھے پس اس وجہ سے آنحضرتؐ نے علیؑ کے فضائل بیان کئے اور اُن کو اپنے نفس کا مساوی قرار دیا ولایت و نصرت و محبت میں تاکہ عرب اُن کو اپنا سردار بنائیں اور اُن کے فضل و کمال کا اعتراف کریں۔

پس ایسی حالت میں انصاف کرنے والا اپنے نفس سے انصاف کرے کہ اگر بروز غدیر خم رسولخدا صلعم خلافت علیؑ پر ایسی نص جلی فرماتے کہ جس میں کسی کو احتمال خلاف مقصود کا نہوتا اور آیا تم دیکھتے ہو کہ اہل عرب باوصف اپنی حماقت و کفر کے اور اپنے گروہ میں سے مثل مسیلمہ کذاب و سجاح و طلیحہ کو انبیا بنانے والے بعد وفات رسول اللہ خلافت ابوبکر پر ساکت رہتے اور خلافت علی علیہ السلام میں کچھ کلام نہ کرتے باوجودیکہ رسولخدا نے جمیع قبائل عرب کے سامنے علیؑ کی خلافت پر نص کیا ہوتا اگر اس معاملہ میں کوئی تامل کرنے والا عاقل انصاف کرے تو اُس کو معلوم ہو جائیگا کہ خلافت علیؑ پر بمقام غدیر خم کوئی نص رسولخدا صلعم نے بیان نہیں فرمائی ہے ورنہ اہل عرب کبھی خلافت ابوبکر کو تسلیم نہ کرتے ختم ہوا کلام ابن روزبہان کا۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ اولاً تو جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ نے اجماع مفسرین کا دعویٰ ہی نہیں کیا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ نقل کیا ہے جمہور نے کہ یہ آیت شان علیؑ میں بروز غدیر خم نازل ہوئی اور جمہور کے معنی اکثر مفسرین کے ہیں بہرحال مراد جناب علامہ

کی یہ ہے کہ مفسرین امامیہ کے ساتھ ایک جماعت مفسرین جمہور اہلسنت نے بھی موافقت
کی ہے کہ یہ آیت بروز غدیر خم شان علیؑ میں نازل ہوئی اس سے یہ مقصود ہمارا
نہیں ہے کہ کل مفسرین نے اس امر پر اتفاق کیا ہے اسلئے کہ جس چیز کی طرف
کسی گروہ کے بعض لوگ گئے ہوں اور اُس میں موافقت کی ہو دوسرے فریق نے
جو اُن کے دشمن ہیں تو ضرور یہ مذہب باقی گروہ مذکور پر حجت ہوگا اسی سبب سے
علمار شیعہ جمہور اہلسنت پر اس امر سے احتجاج کرتے ہیں کہ ابو حنیفہ نے ایسا بیان کیا
ہے اور غزالی نے ایسا کہا ہے اسی طرح دیگر علما راہلسنت کے لئے شیعہ حجت پیش
کرتے ہیں یا اس کے برعکس یہ لوگ علمار شیعہ پر حجت لاتے ہیں اُن کے اقوال سے
جیساکہ ابن روزبہان نے خود اسی کتاب کے خطبہ میں کل فرقۂ امامیہ پر حجت پیش
کی ہے کہ حاکم ابو عبداللہ نے ایسی روایت کی ہے اور وہ شیعی امامی تھا (حالانکہ
حاکم کا شیعی امامی ہونا غلط ہے) ۔ با بعض علما راہلسنت نے جو اس روایت میں مخالفت
کی ہے خصوصاً بعض متاخرین علما رنے وہ اس آیت کے نزول میں قدح نہیں
کرتی ہے بلکہ اُن کی مخالفت کرنا دلیل ہے اس امر کی کہ جب اُنھوں نے دیکھا کہ
شیعہ اپنی حجت اُن پر قائم کرتے ہیں تو اُنھوں نے اس کی مخالفت شروع کی اور جو
روایت اس کے منافی تھی اُس کو وضع کرلیا تاکہ وہ اپنے اس فعل سے حق کو چھپانے
اور ترویج باطل کی طرف متوجہ ہوں جیساکہ ابن روزبہان نے آیت آیندہ
میں حق کو مخفی کرنا چاہا ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اجماع حقیقت پر اس قول کے
پہلے اور مخالفت کا ظاہر کرنا بعد اجماع کے ہوا ہے بسبب اُن اغراض
نفسانیہ واہوائے شیطانیہ کے جن کا ذکر سابق میں گذرا ہے ۔ بالجملہ اس قوم
کی بری عادتوں سے ایک نہایت بری عادت یہ ہے کہ جب یہ دیکھتے ہیں
کہ کوئی آیت فضائل اہلبیت رسول یا مناقب میں آنحضرت کے ایسی پائی جاتی

ہے کہ جس سے اہل تشیع نے اہلبیت کی افضلیت، واحقیت پر استدلال کیا ہو
پس اُس آیت کو باوصف اس امر کے کہ اس سے قبل اُنھیں لوگوں نے اسکی
روایت کی ہو کبھی اُس کو مخالفت سے رد کر دیتے ہیں اور کبھی ضعف راوی
کے عذر سے اُس میں قدح کرتے ہیں کبھی تخصیص و تعمیم کا عذر بار دیش کرتے
ہیں اور کبھی اُس میں تاویل کرتے ہیں گویا دین کی باتوں کا وضع کرنا اُنھیں
سپرد کر دیا گیا ہے اور جناب سید المرسلین علیہ السّلام کی شریعتوں کا بنانا انھیں
لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور یہ لوگ کلام رب العالمین کو بھی نہیں سماعت
کرتے ہیں جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے۔ قتل الخرّاصون الّذین ھم فی غمرۃٍ
ساھون والذین یکتمون ما انزلنا من البیّنات والھدٰی
من بعد ما بیّنّاہ للناس فی الکتاب اولٰئک یلعنھم اللہ
ویلعنھم اللاعنون ۔ اور باوصف ان باتوں کے اسلاف ذریت طاہرہ
واخلاف اہلبیت رسول مختار کے بزرگ راویوں کی روایت کو بھی تسلیم نہیں کرتے
مثل جناب زین العابدین علیہ السّلام و حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام باقر علوم
الدین اور امام الصادقین جناب جعفر صادق علیہ السلام کے اور دیگر ائمہ طاہرین
صلوات اللہ علیہم اجمعین اور جن صلحا مومنین نے آنحضرت کا اتباع کیا اور روایت
کی ہے اور آنحضرت کے موالی و تابعی کہ جو مومنین عارفین سے تھے نہ اُن کی روایت
کو مانتے ہیں اور یہ لوگ ان سب کی روایت پر طعن کرتے ہیں کیونکہ اُن کے کلام
کو اپنے مقصود کے مطابق نہیں پاتے کسقدر ان لوگوں میں حیا کم ہے اور کسقدر یہ
ظلم میں بڑھے ہوئے ہیں پس کوئی خیر ایسے سلف میں نہیں معلوم ہوتی اور کس نیکی
کی امید ایسے خلف سے ہوسکتی ہے خدا ایسے لوگوں پر رحم نہ کرے اور اُن کو گناہوں
سے بری نہ کرے اور بتحقیق کہ ابن روزبہان نے ان سب کو فضیحت کیا ہے۔

جبکہ آیات کتاب عظیم میں تحریف کی اور احادیث رسول کریم کو بدل دیا ہے خصوصاً جو
کچھ کہ اس نے مسئلہ اجماع عترت طاہرہ میں متعلق بہ آیہ تطہیر بیان کیا ہے اور جو جواب دا
اُس نے اس آیت کے مقصد بیان کرنے میں کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ اُن سے اس شخص
کی تکفیر ہوتی ہے چہ جائیکہ عداوت جناب امیر المومنین کا اظہار ہوتا ہو باوصف اس
امر کے کہ یہ حدیث یعنی حدیث غدیر صحاح قوم اہلسنت میں مروی ہے اور احمد بن
حنبل نے اپنی مسند میں بطرق متعددہ اس حدیث کو نقل کیا ہے اور ثعلبی نے اپنی
تفسیر میں اور ابن مغازلی الشافعی نے کتاب المناقب میں طرق مختلفہ سے اسکو روایت کیا ہے ابن عقدہ نے ایکسو
پانچ طریقوں سے اسکو روایت کیا ہے۔ اور شیخ ابن کثیر شامی شافعی نے جہاں محمد بن جریر الطبری الشافعی
کا ذکر کیا ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب ایسی دیکھی کہ جس میں طبری نے
احادیث غدیر خم جمع کئے ہیں اور وہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے اور ایک کتاب
طبری کی ایسی دیکھی کہ جس میں صرف طرق حدیث طیر جمع کئے ہیں اور ابو المعالی الجوینی
سے نقل کیا ہے کہ وہ تعجب کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے شہر بغداد میں ایک
صحاف کے ہاتھ میں ایک مجلد کتاب دیکھی کہ جس میں حدیث غدیر خم کے روایات درج
تھے اور اُس کتاب پر یہ تحریر تھا کہ یہ اٹھائیسویں جلد ہے طرق حدیث من کنت
مولاہ فعلی مولاہ کی اور اسکے بعد انتیسویں جلد ہوگی اور شیخ ابن الجزری
الشافعی نے اپنے رسالہ اسنی المطالب فی مناقب علی بن ابی طالب میں حدیث غدیر
کے تواتر کو بطرق کثیرہ ثابت کیا ہے۔ بالجملہ یہ حدیث غدیر ایسی مشتہر ہوئی اور اس
حد کو پہونچی ہے کہ اس طرح دوسری حدیث کو شہرت نہیں ہوئی اور امت رسول
کے بڑے بڑے محققین نے اس کو قبول کیا ہے اور اسکو معتبر جانا ہے پس ایسی حدیث
شریف سے وہی شخص انکار کریگا کہ جو دشمن اہلبیت رسول خدا ہو یا وہ شخص جس کو کتب
احادیث واخبار پر کسی قسم کی اطلاع نہو۔

دوسری وجہ یہ کہ جو کچھ ابن روزبہان نے حدیث غدیر کے راز میں بیان کیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ وہ راز نص ہونے میں قادح ہے پس یہ دعویٰ اس طرح سے مردود ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السّلام کی فضیلت اور آنحضرت کا کمال اور علم اور سخاوت و شجاعت اور نزدیکی اُن جناب کی جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح پر کہ وہ آنحضرت کے داماد اور ابن عم تھے اور جناب رسالتمآب صلعم کے رنج و غم کے دور کرنے والے تھے یہ سب فضائل و کمالات تمامی عرب پر اچھی طرح ظاہر تھے خصوصاً قبیلہ قریش پر کہ جن کو وصیت کرنا اہم تھا۔ اور بتحقیق کہ قرآن مجید میں وجوب محبت اہلبیت علیہ السّلام کے لئے آیت اس سے قبل نازل ہو چکی تھی اور وہ یہ ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ اور خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شان اہلبیت علیہم السلام میں حدیث ثقلین ارشاد فرمائی ہے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی۔ اور نیز یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اذکرکم اللہ فی اھلبیتی (یعنی میں تمھیں اپنے اہلبیت کے بارے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں) اور اس حدیث کو بکرّات و مرّات زبان مبارک سے فرمایا ہے جیسا کہ ابن حجر نے کتاب صواعق محرقہ میں اس کو نقل کیا ہے اسکے علاوہ اور بہت سی احادیث آنحضرت نے ارشاد فرمائی ہیں کہ جن میں اپنے اہلبیت کی محبت اور اُن کی توقیر و تعظیم کرنے کا ذکر موجود ہے اور اُن کی مخالفت سے حضرت نے ڈرایا ہے جیسا کہ کتب احادیث خصوصاً کتب مناقب میں اس طرح کی روایات بکثرت منقول ہیں اور بتحقیق کہ جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ اللہ نے چند احادیث اس کتاب میں بھی ذکر فرمائی ہیں پس ان باتوں پر نظر کرکے عقل سلیم بداہتہً حکم کرتی ہے کہ آنحضرتؐ کا ایسے مقام و زمانہ میں نزول فرمانا جہاں عادۃً مسافر قیام نہ کرتے ہوں اور جہاں ہوا ایسی گرم ہو جس کی بابت منقول ہو کہ لوگ اپنی سواریوں کے سایہ میں پناہ لیتے تھے اور شدت گرمی کی وجہ سے

اپنی ردا کو اپنے پیروں کے نیچے رکھے ہوئے تھے اور جگہ بھی ایسی جو کانٹوں سے مملو ہو پھر ایسے مقام پر پالان ہائے شتر کا ایک منبر بنوا کر اُس پر تشریف لیجانا اور امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے لئے ایسی دعا فرمانا کہ جو شان سلاطین و خلفاء و والیان عہد کے شایان ہو یہ سب اہتمام نہیں کیا گیا تھا مگر بسبب نزول وحی ربّانی کے ایسی وحی کہ جو ایجابی فوری تھی اور اُسی زمانہ کے لئے خاص کی گئی تھی تاکہ ایک امر عظیم و جلیل القدر کہ جو خاص تھا جناب علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے ساتھ تمامی امت پر ظاہر کیا جائے اور وہ یہ تھا کہ وہ جناب خلافت و امامت کے لئے منصوب کئے جائیں نہ یہ کہ جملہ اہتمام صرف اسلئے آنحضرت نے فرمایا ہو کہ آپکی محبت و نصرت اپنی امت سے مطلوب تھی اور باوصف اس امر کے کہ اسی حدیث میں آنحضرتؐ نے ایک ایسا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ جس کے ساتھ اُس احتمال کی مجال نہیں رہتی جس کا توہم ابن روزبہان نے کیا ہے اور وہ یہ قول آنحضرتؐ الست اولی بکم من انفسکم ہے اس لئے کہ یہ نص صریح ہے اس امر پر کہ آنحضرت نے ریاست دین و دنیا اس سے مراد لی ہے کیونکہ جو شخص امت کے نفوس سے اولیٰ متصرف ہے وہ نبی اور امام ہے جیسا کہ اس کے متعلق آیت گذشتہ میں ایک اشارہ کیا گیا ہے اور بتحقیق کہ لفظ مولیٰ سے اولیٰ بہ تصرف ہونا اُن لوگوں نے بھی سمجھا ہے کہ جو اُس مقام پر موجود تھے۔ اور وہ سب کلام عربی کے مدلّات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ مثل عمر ابن الخطابؓ۔ وحسّان بن ثابت و حارثؓ بن نعمان فہری کے لیکن عمر بن الخطاب کی بابت تو یہ خبر متواتر ثابت ہے کہ اُنھوں نے جناب امیر المومنین علیہ السّلام کو بروز غدیر خم اولیٰ بتصرف ہونے پر تہنیت و مبارکباد دی اور کہتے تھے بخٍ بخٍ لک یا ابن ابی طالب صرت مولای و مولی کل مومن و مومنۃٍ چنانچہ غزالی نے

اپنی کتاب سر العالمین کے چوتھے مقالہ میں جس کو اُس نے تحقیق امر خلافت کے لئے مقرر کیا ہے بعد چند بحثوں کے اور ذکر اختلاف کے تحریر کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے لکن اسفرت الحجة وجهها واجمع الجماهير على متن هذا الحديث من خطبته صلوات الله عليه فى يوم غدير باتفاق الجميع وهو يقول من كنت مولاه فعلیؑ مولاه فقال عمر بخٍ بخٍ يا ابا الحسن لقد اصبحت مولای ومولى كل مومن ومومنة فهذا تسليم ورضاء وتحكيم ثم بعد هذا غلب الهواء لحب الرياسة وحمل عمود الخلافة وعقود البنود وخفقان الهوا فى قعقعة الرايات واشتباك ازدحام الخيول وفتح الامصار سقاهم كاس الهواء فعادوا الى الخلاف الاول فنبذوا الحق وراء ظهورهم واشتروا به ثمناً قليلاً۔ لیکن دلیل روشن ہو گئی اور جمہور نے آنحضرت صلعم کی متن حدیث پر اجماع کر لیا ہے کہ جس کو آپ نے اپنے خطبہ یوم غدیر خم میں ارشاد فرمایا ہے اور سب کا اُس پر اتفاق ہے کہ وہ جناب اُس روز فرماتے تھے من كنت مولاه فعلی مولاه یعنی جس کا میں حاکم و متصرف فی الامر ہوں اُس کے علیؑ بھی مولا و حاکم ہیں یہ سنکر عمر نے کہا کہ مبارک ہو مبارک ہو اے ابوالحسن آپ نے آج صبح کی درآنحالیکہ آپ ہر مومن و مومنہ کے مولا و حاکم ہوئے غزالی کہتے ہیں کہ یہ امر مسلم ہے اور اس پر سب راضی ہوئے اور علیؑ حاکم قرار پائے۔ پھر بعد اس رضامندی و خلافت علیؑ کے قبول و تسلیم کر لینے کے خواہش نفس حب ریاست کے لئے غالب آگئی اور لوگوں نے چاہا کہ ستون خلافت بلند ہو اور علمہائے حکومت مقرر کئے جائیں اور نشانات ریاست ہوا سے متحرک ہوں اور لشکر کے گھوڑوں کے اجتماع کی کثرت ہو امصار و دیار فتح کئے جائیں اسی خواہش نے اُن لوگوں کو حب ریاست کا جام پلا دیا۔ پس وہ سب پہلی سی مخالفت کی

طرف لوٹ آئے اور اُن کے حال کی مثال قول باری تعالیٰ کے مطابق ہوگی کہ وہ ارشاد فرماتا ہے پس چھوڑ دیا اُنھوں نے اُس کو پس پشت اپنے اور مول لے لیا اُنھوں نے بعوض اُسکے ایک قلیل قیمت کو اور حسانؓ بن ثابت پس اُنھوں نے بروز غدیر خم چند اشعار مدح جناب امیرالمومنینؑ میں تصنیف کئے کہ جو مشہور ہیں اُن میں بھی تصریح ہے کہ مولیٰ سے مراد امام اولیٰ بالتصرف ہے۔ اور جناب رسولخدا صلعم نے اُن اشعار کو قبول فرمایا۔ اور حسان بن ثابت کی اس مدح پر تعریف فرمائی۔ اور حارث بن نعمان فہری کی نسبت امام ثعلبی کہ جو اہل سنت کے پیشوائے مفسرین میں سے ہیں وہ شان نزول قول باری تعالیٰ سائل سائل بعذاب واقع کی یہ بیان کرتے ہیں کہ جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بمقام غدیر خم لوگوں کو ندا کرائی اور اُن کو جمع فرمایا۔ پس جبکہ وہ لوگ سب جمع ہو گئے تو آپ نے امیرالمومنینؑ کا ہاتھ لیکر بلند کیا اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ ارشاد فرمایا اور یہ خبر تمام شہروں میں مشہور ہوئی اور حارث بن نعمان فہری کو بھی پہونچی۔ پس وہ جناب رسولخدا صلعم کی خدمت میں اپنے ناقہ پر سوار ہو کر آیا جبکہ مقام ابطح میں پہونچا تو اپنے ناقہ سے اترا اور ناقہ کو باندھا پھر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا وہ جناب ایک گروہ اصحاب میں تشریف فرما تھے حارث کہنے لگا اے محمدؐ آپنے ہمیں یہ حکم دیا کہ خدائے واحد کی ہم عبادت کریں اور آپ کو اُس کا رسول تسلیم کریں ہمنے اس کو آپ کے کہنے سے منظور و قبول کیا۔ پھر آپ نے نماز پنجگانہ کا حکم دیا پس ہمنے اُس کو بھی مانا۔ آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ شہر رمضان کے روزے رکھو اُس کو بھی ہمنے قبول کر لیا پھر آپ نے حج کا حکم واجب کیا اُس کو بھی ہمنے تسلیم کیا ان تمام باتوں پر آپ راضی نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی کے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے اُن کو ہم پر فضیلت دیدی اور یہ فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ آیا یہ فعل آپنے اپنی جانب سے

سیا ہے یا اس کا خدا نے حکم دیا ہے پس آنحضرت صلعم نے نعمان بن حارث فہری سے ارشاد فرمایا
کہ قسم ہے اُس معبود کی کہ سوائے اُسکے کوئی دوسرا خدا قابل پرستش نہیں ہیں نے اپنی طرف سے
یہ نہیں کیا ہے بلکہ خدا کے حکم سے علیؑ کو مولائے مومنین تم سب پر ظاہر کیا ہے یہ سنکر نعمان بن حارث
اپنی سواری کی طرف چلا اور کہتا جاتا تھا کہ خداوندا جو کچھ کہ محمدؐ نے اس وقت کہا ہے اگر یہ بات
حق ہے پس تو ہم پر آسمان سے پتھر نازل کر یا ہمکو کوئی عذاب دردناک دے راوی حدیث
بیان کرتا ہے کہ نعمان بن حارث فہری اپنے ناقہ تک پہونچا تھا یہاں تک کہ خدا نے ایک پتھر
آسمان سے نازل کیا جو اُسکے سر پر گرا اور اُسکے اسفل سے خارج ہوگیا پس نعمان قتل ہوگیا۔ پھر خداوند
عالم نے یہ آیہ وافیۃ الہدایہ نازل فرمایا سأل سائلٌ بعذابٍ واقعٍ للکافرین لیس لہ دافع من اللہ
ذی المعارج جبکہ یہ حدیث متواتر ہے جیسا کہ اسکے تواتر کو اکابر اہلسنت نے تسلیم کر لیا
ہے اور اس کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے اور فصحاء قریش نے اس کو بخوبی سمجھ لیا ہے
کہ معنی مولیٰ کے اولیٰ بالتصرف کے ہیں۔ پھر ایسی حدیث میں قدح وجرح کرنا اور
اُس میں ایسی بیجا تاویلیں کرنا کہ جن سے خواہ مخواہ عقل سلیم کو انقباض پیدا ہوتا ہے اس کا
بجز عداوت و تعصب و عناد کے اور کوئی باعث نہیں ہے اور اگر جناب رسالتمآب
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُس مقام پر اور اس وقت اس خطبہ پڑھنے سے صرف یہی
مقصود ہوتا کہ چونکہ یہاں سے قبائل عرب علٰحدہ ہوتے ہیں لہذا اُن کو علیؑ کی محبت
و نصرت کے لئے وصیت کر دی جائے جیسا کہ ابن روزبہان نے اس کا گمان کیا ہے
اور نزول وحی امر فوری کے لئے نہوئی ہوتی جیسا کہ علماء شیعہ نے ائمہ علیہم السلام
سے روایت کی ہے تو ہر آئینہ جناب رسول خدا صلعم اس مقام پر پہونچنے سے قبل یہ
تجویز قرار دیتے کہ میں جب اس مقام پر پہونچونگا اور لوگ مجتمع ہوں گے تو خطبہ پڑھوں گا
اور اس صورت میں ظاہر یہ تھا کہ آپ اُس روز بوقت صبح لوگوں کے مجمع میں خطبہ
ارشاد فرماتے نہ کہ روانگی کے بعد توقف کر کے اور ایسی دوپہر کی گرمی میں۔ بلکہ اگر ابن

روزبہان نے جو وجہ تحریر کی ہے وہ صحیح ہوتی تو اُس کی بنا بر یہ مناسب تھا کہ آنحضرت ایام حج ہی میں اس خطبہ کو پڑھتے تاکہ وہاں ہر شخص اس کلام کو سماعت کر لیتا کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ جسقدر عرب و عجم وغیر ممالک کے لوگ ایام حج میں حاضر تھے اُتنی تعداد جناب رسالتمآبؐ کے ہمراہ مکہ سے غدیر خم تک باقی نہیں رہی تھی بلکہ بعض لوگ مکہ میں رہ گئے تھے اور جو اہل یمن اور باقی جزیرۃ العرب کے تھے وہ لوگ مکہ سے یمن اور جزیرۃ العرب کے مقامات پر واپس چلے گئے تھے پس معلوم ہوا کہ اس وقت اور اس مقام پر ایسی بات کا اعلان و اظہار جناب رسولخداؐ کی طرف سے ہرگز نہ تھا نہ اُس مقصد کیلئے تھا جس کو ابن روزبہان نے بیان کیا ہے کہ اظہار محبت و نصرت کے لئے حضرتؐ نے خطبہ پڑھا بلکہ یہ خطبہ پڑھنا اور علیؑ کو مولیٰ و حاکم مومنین امت پر ظاہر فرمانا بحکم وحی الٰہی تھا نیز اس لئے یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ جب ایسی تکلیف کے وقت میں اور نامناسب وقت و جگہ میں مضمون خطبہ سنایا جائیگا تو زیادہ موجب اس کا ہوگا کہ ہمیشہ یاد رہے اور کبھی نہ فراموش ہو سکے جیسا کہ مثل بیان کی گئی ہے کہ جو چیز کسب سے حاصل کی جاتی ہے وہ بہت کم بھولی جاتی ہے۔ اور یہ اہتمام بلیغ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ ارشاد حسب مقتضائے الٰہی ہے جناب رسالتمآب صلعم کا اس میں اجتہاد نہیں ہے جیسا کہ بعض اہلسنت نے اس کو تجویز کیا ہے اور اس ابلاغ حکمت الٰہی میں اور بہت سی حکمتیں اور نشانیاں ظاہر و روشن ہیں اور اُن چیزوں میں سے جو اس امر پر دلالت صریحہ رکھتی ہیں یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا اپنے اہلبیت علیہم السّلام کی محبت و نصرت کا ابلاغ فرمانا بعد اسکے کہ اُس کو بکرّات و مرّات اپنی زبان سے بیان فرما چکے تھے موجب ایسی تاکید و مبالغہ کے نہ تھا کہ وہ اس طرح سے اپنے نبیؐ کو خطاب فرماتا کہ اگر تم نے اس فعل کو انجام نہ دیا تو گویا تم نے کوئی حکم احکام خدائے تعالیٰ کا ابلاغ نہیں کیا پس معین ہو گیا کہ مراد خدا کی ابلاغ ایسے حکم کا ہے کہ جس کے ابلاغ سے مجموع احکام کا ابلاغ محقق ہو اور اسی حکم سے خداوند عالم کو دین کا کامل کرنا

اور اپنی نعمت کا تمام کرنا مقصود و مطلوب ہو اور بتحقیق کہ وہ وہی حکم ہے جو تمام قوم پر شاق اور دشوار تھا اور وہ یہ ہے کہ اصول دین اسلام کی پانچویں اصل کو نصب علی امیر المومنین علیہ السّلام سے معین فرمادیں اور اُن جناب کی امامت کا ظاہر کرنا اور اُنکی اطاعت کا تمامی خلق پر واضح کرنا مقصود تھا کیونکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ تمام قوم کے دل عداوت و بغض علیؑ سے مملو ہیں کہ اُنہوں نے ہمراہ جناب رسولخدا صلعم غزوات اسلام میں انکے باپ بھائیوں اور اولاد و اقارب کو قتل کیا تھا جیسا کہ روایت ثعلبی سے (جو کہ بڑے اکابر اہلسنت سے ہیں) اور دیگر اکابر قوم کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے پس گویا حق سبحانہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ جو کچھ ہمنے آپ پر حکم ایجابی فوری نازل کیا ہے اُسکو آپ امت تک پہونچا دیجئے اور وہ یہ ہے کہ علیؑ کو امامت کیلئے معین کر دیجئے اور اگر اس حکم کی تبلیغ میں آپنے غفلت کی اور اُس کو نہ پہونچایا تو آپ مثل اُس شخص کے ہونگے کہ اُس نے کوئی حکم نہ پہونچایا ہو اور مثال اس کی یہ ہے کہ اگر مکلف تمام اُن چیزوں پر ایمان نہ لائے جن کو کہ رسول خدا کی طرف سے لائے ہیں بلکہ بعض عقائد پر ایمان لائے اور بعض کا معتقد نہوا ایسا مکلف مثل اُس شخص کے ہے کہ جو کسی چیز پر ایمان نہیں لایا ہے پھر چونکہ خداوند عالم یہ بھی جانتا تھا کہ یہ امر اہم رسول پر دشوار ہے اور قوم کے کینے اور دشمنی کا خوف ہے اسی لئے اطمینان نفس رسول اور اُن جناب کی تسلی اور دشمنوں سے خوف نہ کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ پس ان تمام وجوہ و دلائل سے جو بیان کئے گئے ثابت ہوگیا کہ نص امامت تمام ہوگئی اور وہ احتمال جو ابن روزبہان نے بیان کیا تھا دفع ہوگیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ بات جس کی طرف ابن روزبہان نے اپنے کلام میں اشارہ کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے روز غدیر خم امیر المومنین علیہ السّلام کو اپنی نفس مبارک سے مساوی قرار دیا اور ولایت و محبت و نصرت میں اور اس بیان سے مقصد اُس کا یہ ہے کہ لفظ مولیٰ بمعنی اولیٰ بالتصرف نہیں ہے بلکہ مولیٰ بمعنی محبت و نصرت کے ہے تو یہ قول اُس کا قابل سماعت نہیں ہے ہاں البتہ اس حدیث کے آخر الفاظ یعنی اللّٰھم وال من والاہ سے صاحب مواقف نے معارضہ کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ صیغہ مفعل بمعنی افعل کو ائمہ لغت عربی میں سے

کسی نے ذکر نہیں کیا ہے اور صاحب مواقف نے یہ بھی کہا ہے کہ استعمال لفظ بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ مولیٰ المعنی اولیٰ نہیں ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ یوں کہیں اولیٰ من کذا اور اولی الرجلین و اولی الرجال نہ کہ مولی الرجلین و مولی الرّجال اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہاں لفظ مولیٰ سے مراد اولیٰ ہے پس اسکی کیا دلیل ہے کہ مراد اولیٰ سے اولیٰ بالتصرف اور اولی بالتدبیر ہے بلکہ جائز ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ یہ اولیٰ ہیں کسی امر میں اور امور سے جیسا کہ قول باری تعالیٰ ان اولی النّاس بابراھیم للذین اتبعوہ میں مراد اولویت اتباع میں ہے اور اختصاص میں اور قرب میں ہے نہ مراد اولویت تصرف میں ختم ہوا کلام صاحب مواقف کا جناب قاضی سید نور اللہ شوشتری شہید ثالث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں صاحب مواقف کے اس قول میں بہت سے تصرفات نظر ہیں ایک نظر یہ ہے کہ مقدمہ متواترہ یعنی الست اولی بکم جبکہ اولیٰ بالتصرف کا مقتضی ہو چکا ہے تو پھر اللھم وال من والاہ کا جملہ مقتضی اس کا نہ ہوگا کہ معنی مولی کے بالمحبۃ ہوں علاوہ اسکے حدیث کا یہ آخری حصہ جملہ دعائیہ ہے اور جملہ مستانفہ ہے اُس کو وہ ربط وسط حدیث سے نہیں ہے جو کہ مقدمہ حدیث کو وسط حدیث سے ہے (**قول مترجم** یعنی الست اولی بکم من انفسکم اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ میں جو ربط ہے وہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور اللّٰھم وال من والاہ میں نہیں ہے کیونکہ اللھم وال من والاہ جملہ دعائیہ ہے جو بعد ختم مقصود شروع ہوا ہے) پس اس جملہ کا اشعار بعد فرض معارض نہ ہوگا دلالت مقدمہ حدیث کے جو کہ الست اولی بکم ہے اور اصل حدیث اُس پر مبنی ہے اور علاوہ اس کے صرف مناسبت مقدمہ سے تعیین مراد پر استدلال ہم نے نہیں کیا ہے بلکہ اصل دلیل وہ ہے جس کو ہم نے تعیین مراد میں بیان کیا ہے کہ اُس مقام خاص پر آنحضرت کا نزول اجلال فرما کر اور سب اصحاب کو جمع کر کے الست اولی بکم فرما کر اپنے اولیٰ

بالتصرف ہونے کا اقرار لے لینا اُسکے بعد من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمانا دلیل ہے
کہ مولی بمعنی بالتصرف اور اس صورت میں مقدمہ حدیث (الست اولی بکم من
انفسکم) کی مناسبت غنیمہ استدلال ہے پھر میں اس سے بھی زیادہ اور ترقی کرکے کہتا ہوں
کہ آخری حصہ حدیث کا ہمارے لئے مفید ہے مضر نہیں ہے اس لئے کہ آنحضرت صلعم کا
اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ
فرمانا نہیں لائق ہے اُس شخص کے واسطے کہ اُسکے کچھ لوگ دوست ہوں اور کچھ دشمن ہوں
اور اُس کی نصرت کی ضرورت ہو اور اُس کے چھوڑ دینے کا خوف ہو اور یہ مرتبہ کسی کا
نہیں ہوتا مگر یہ کہ وہ سلطان ہو (بادشاہ) یا امام جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ استعما
صیغہ مفعل کا بمعنی افعل کے ایسا ہے کہ اُس کو شارح جدید کتاب تجرید نے ابی عبیدہ
سے نقل کیا ہے اور ابو عبیدہ ائمہ لغت سے ہیں اور اُس نے قول باری تعالی۔
مولکم النار کی تفسیر اولی سے کی ہے اور خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن مولاھا اس میں بھی مولاھا سے
مراد وہی شخص ہے جو اُس عورت کا ولی اور مالک تدبیر ہو اور اُس کی مثال اشعار
عرب میں بھی بہت پائی جاتی ہے کہ لفظ مولی سے اولی مراد لیا جاتا ہے پس استعمال
لفظ مولی کا بمعنی متولی و مالک امر اور اولی بالتصرف کے تمامی کلام عرب میں شائع
ہے اور ائمہ اہل لغت سے منقول ہے اور مراد یہ ہے کہ لفظ مولی اسم ہے بمعنی اولی کے نہ
کہ صفت مثل اولی کے ہوتا کہ اس میں یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ صیغہ اسم تفضیل کا نہیں
ہے اور اُس کا استعمال مثل صیغہ تفضیل کے نہیں ہوتا۔ نیز ایک یہ امر بھی قابل غور ہے
کہ دو لفظوں کا ایک معنی میں ہونا اس کا مقتضی یہ نہیں ہے کہ اُن دونوں کا استعمال بھی
ایک دوسرے کے صلہ کے ساتھ جائز قرار دیا جائے کیونکہ لفظ کا کسی لفظ سے متصل ہونا
عوارض الفاظ سے ہے نہ کہ عوارض معانی سے یعنی ایک لفظ کے ساتھ کسی لفظ کا لگو

صلہ کے آنا اُس کی لفظیت کی وجہ سے ہوتا ہے معنوں کی وجہ سے نہیں ہوتا پس اولی کے ساتھ
من آسکتا ہے اور مولی کے ساتھ من کا آنا ضروری نہ ہوگا اگرچہ مولیٰ اولیٰ کے معنوں میں
ہے نیز یہ کہ لفظ صلوۃ مثلاً دعا کے معنوں میں ہے اور صلوۃ مقترن ہوتی ہے لفظ علی سے
اور دعا مقرون ہوتی ہے حرف لام سے چنانچہ کہتے ہیں صلّی علیہ (دعالہ) یعنی اُس نے
آنحضرتؐ پر صلوات بھیجی اور آنجناب کے لئے دعا کی اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ دعا علیہ
کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ دعا علیہ تو اس وقت میں بددعا کے معنی ہو جائیں گے اور تحقیق
شیخ رضی نے لفظ علم و معرفہ کی تصریح کی ہے حالانکہ علم متعدی ہے دو مفعولوں کی طرف
اور معرفہ متعدی نہیں ہے دو مفعولوں کی طرف اور اسی طرح استعمال ہوتا ہے انک
عالم اور یہ نہیں کہتے کہ ان انت عالم باوجودیکہ ضمیر متصل و منفصل اس مقام پر ہم معنی
ہیں جیسا کہ اہل لغت نے اس کی تصریح کر دی ہے اور اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں
اور منجملہ امور نظر یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کا لفظ اولی کو بانفسکم سے مقید کرنا اس امر کی
دلیل ہے کہ مراد اولی سے اولیٰ بالتصرف ہے نہ کہ اولی اور کسی امر میں اور یہ امر اس
وجہ سے ہے کہ اولیٰ ہونا تمام آدمیوں سے اُن کے نفوس سے اسکے کوئی معنی نہیں ہیں بجز
اسکے کہ یہ مراد ہو کہ وہ اولیٰ ہیں آدمیوں سے اُن پر حکومت و تصرف کرتے میں اور اسی
مقام سے یہ واضح ہوگیا کہ دلیل لانا صاحب مواقف کا قول حق تعالیٰ ان اولی الناس
بابراھیم للذین اتبعوہ سے درست نہیں ہے کیونکہ اُس میں ان اولی الناس
بابراھیم من نفسہ نہیں ہے تو اگر اُس میں اولی سے اولی بالتصرف مراد نہ ہو کیا
ضرر ہے اور اگر اُس میں بالفرض من نفسہ کی قید ہوتی تو ضرور اولیٰ بالتصرف کے معنی ہوتے
لہٰذا معارضہ و استشہاد صاحب مواقف بالکل نادرست ہے۔

چوتھی وجہ یہ کہ ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ اگر منصف انصاف کرے تو معلوم ہوگا کہ آنحضرت
نے روز غدیر خم خلافت علیؑ پر نص جلی نہیں فرمائی ہے انصاف سے خالی ہے اور انتہائے

تعصب و ظلم پر مشتمل ہے کیونکہ یہ امر مخفی نہیں ہے کہ بہترین عرب قبیلہ قریش تھا کہ جو مکہ سے مدینہ تک پھیلا ہوا تھا اور یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ لوگ سب علیؑ ابن ابی طالب سے منحرف تھے کیونکہ اُن کے سینوں میں آنحضرتؐ کی طرف سے ایام جاہلیت کے کینے و دشمنیاں بھری تھیں جیسا کہ بعد کو اس کا اعتراف ابن روزبہان نے بھی کیا ہے اور باقی طوائف عرب جو تھے وہ سب رعایا میں تھے اور اُن کو نہ کوئی سبقت اسلام میں تھی نہ احکام دین میں نہ اُنہیں اس معاملہ میں کوئی ممارست پیدا ہوئی تھی تا کہ اُن کا خلافت کا قبول کرنا یا اُن کا اس سے مخالفت کرنا قابل توجہ و اعتبار ہو سکے اور منشار مخالفت اُن طوائف عرب کا جنھوں نے ابوبکر کو اُن کے زمان خلافت میں زکوۃ دینے سے انکار کیا تھا اور ابوبکر نے اُن کا نام اہل الردہ رکھا تھا یہ تھا کہ وہ خلافت اہلبیت علیہم السّلام کی حقیت کا اعتقاد رکھتے تھے اور خلافت ابوبکر کی قدح کرتے تھے جیسا کہ اسکو صاحب کتاب فتوح نے قبیلہ بنی حنیف و بنی کندہ وغیرہم سے نقل کیا ہے اور ہمنے اپنی کتاب **مجالس المومنین** میں اس کا ذکر کیا ہے اور اسکی تائید کرتا ہے وہ قول جسکو ابن حزم نے مسئلہ احکام مرتدین کے متعلق اپنی کتاب محلّٰی میں ذکر کیا ہے کہ اہل ردّہ کی دو قسمیں تھیں۔

پہلی قسم وہ ہے جو قطعاً ایمان نہیں لائی مثل اصحاب مسیلمہ و سجاح کے پس یہ لوگ اہل حرب سے ہیں کہ انھوں نے اسلام کو قبول ہی نہیں کیا پس اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ نہ اُن کی توبہ قبول ہے نہ ان کا اسلام صحیح ہے۔

دوسری قسم وہ ہے کہ جس نے اسلام کو قبول کیا اور بعد اسلام لانے کے پھر کفر نہیں کیا لیکن اُنھوں نے ابوبکر کو زکوۃ دینے سے انکار کیا اور اسی جرم پر وہ قتل کر دیئے گئے اور اس بارے میں حنفی و شافعی اختلاف نہیں کہتے ہیں کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے لئے اصلا حکم مرتد ہونے کا نہیں ہے کیونکہ اُنھوں نے صرف امر زکوۃ میں فعل ابوبکر کی مخالفت کی تھی لہٰذا ہم اُن کو اہل ردہ نہیں کہہ سکتے ہیں اور دلیل اسکی وہ اشعار ہیں حطیۂ شاعر کے

جن میں وہ کہتا ہے ترجمہ اشعار حطیۂ اطاعت کی ہمنے رسولخدا کی جبتک وہ جناب ہمارے
درمیان میں رہے پس افسوس ہے کہ کیا حال ہوگا دین ابوبکر کی اطاعت کرنے میں آیا بعد
وفات ابوبکر کیا اُس کا بیٹا اُس کی خلافت کا وارث ہوگا پس قسم بخدا یہ بات اسلام کی
پشت توڑ دینے والی ہے اور تحقیق کہ وہ چیز جس کا تمنے مطالبہ کیا اور اُس سے منع کئے گئے
ہمارے نزدیک یہ تیرے لئے مثل خرمہ ہے یا خرمہ سے زیادہ شیریں تر ہے پس اے کاش
کہ میں اپنے ناقہ کی کاٹھی کے گرد رہتا اُس شام کو جبکہ ہم تعاقب کرتے تھے ابوبکر کا نیزوں
سے بالجملہ جمہور کا نص کو مخفی رکھنا یہ امر عادۃً بعید نہیں ہے خاصکر جبکہ دواعی احتمال کے
موجود ہوں جیسا کہ تجکو معلوم ہے (خلافت امیرالمومنین علیہ السّلام کے بارے میں) اور یہ امر
ویسا ہی ہے کہ جیسے تئیس[۲۳] برس تک بعد نزول وحی کے شب و روز میں پانچ مرتبہ رفع
یدین کی سنت ہونے پر اور شب و روز کے تین اخفاتیہ نمازوں (ظہرین وعشا) میں جہر
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے مسنون ہونے پر نص ہوتی رہی لیکن ان دونوں پر تواتر نہیں ہوا حتیٰ
کہ اس کی مخالفت[۱] کسی نے نہ کی ہو حالانکہ کثرت دواعی کے موجود تھے اور اسی طرح کا
حال ہے فصول و اجزاء اذان اور مسح و غسل و وضو وغیرہ کا اور حدیث غدیر کے ساتھ
صحابہ کا احتجاج نہ کرنا اُن کے معصوم ہونے کی تقدیر پر ہے (یعنی اگر صحابہ معصوم ہوتے
تو ضرور اس حدیث سے حجت لاتے) اور تم لوگ تو انبیاء سے گناہان صغیرہ کا عمداً سرزد ہونا
اور گناہان کبیرہ کا قبل وحی عمل میں لانا تجویز کرتے ہو پس غیر انبیاء کے لئے کیا کچھ نہ تجویز کرتے
ہونگے بہرحال مقصود یہ ہے کہ جب مسائل مذکورہ شب و روز کے لئے باوجودیکہ نص موجود
تھی تئیس[۲۳] برس تک اختلاف نہ مٹا یا دو امروں میں سے ایک کا معین ہونا جمیع اہل اسلام
کے نزدیک ثابت و متحقق نہوا تو وہ امامت کہ جس پر اس آیت یا اسکے غیر سے ایک یا دو[۱] یا تین
مرتبہ اس مدت میں نص کی گئی ہو اُس پر اتفاق کا نہونا بطریق اولیٰ ممکن ہوگا۔

---

[۱] اسلئے کہ مابین حنفیہ و شافعیہ ان باتوں میں اختلاف واقع ہے کیونکہ حنفیہ رفع یدین و جہر نہیں کرتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

بعض حنفیہ نے کتاب تحقیق کی شرح میں بحث خبر واحد میں بیان کیا ہے کہ قبول خبر واحد کے لئے چند شرطیں ہیں اُن میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ظہور اختلاف کے وقت متروک الاحتجاج نہو پس جبکہ اُنھوں نے اُس خبر کے ساتھ احتجاج کو ترک کیا تو وہ خبر ہمارے بعض اصحاب متقدمین اور عامہ متاخرین کے نزدیک مردود ہے اور اصولیین اور اہل حدیث نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اس کے قائل ہوئے ہیں کہ اگر حدیث کی سند ثابت ہوجائے تو خلاف کرنا صحابی کا اُسکے ساتھ اور اُس پر عمل نہ کرنا اور اُس سے احتجاج نہ کرنا موجب اُس کے رد کا نہیں ہے کیونکہ ایسی حدیث تمام خلق پر حجت ہوگی اور صحابی پر وہ حجت ہوگی جیسے کہ غیر صحابی پر ختم ہوا کلام صاحب تحقیق کا اور غور و تامل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے جہلا ائمۃ کا امیر المومنین علیہ السلام پر مقدم ہونا ایک ایسی غلطی ہے کہ جو ہوئی اور مشہور ہوگئی یہاں تک کہ وہ آدمیوں میں مذہب قرار پائی وجہ اس کی یہ ہے کہ بعض کو تو اس معاملہ میں کوئی تمیز ہی نہوئی اور بعض کے لئے اظہار حق کی قوت و طاقت نہ تھی یا اُن کے لئے اس معاملہ میں وہ شبہہ ڈالدیا گیا جس کو ہم بیان کر آئے ہیں اور اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے فاضل تفتازانی نے شرح تلخیص میں کہا ہے کہ لفظ تملیح مصدر ہے ملح الشعر کا جسکے معنی شے ملیح لانے کے ہیں اور یہ خطا ہے شارح علامہ کی کہ جو ناشی ہوئی ہے اس امر سے کہ اُنھوں نے تملیح اور تلمیح کو برابر قرار دیا ہے اور دونوں کی تفسیر یہ کی ہے اشارہ کیا جائے طرف قصہ و مثل و شعر کے پھر یہ غلطی ایسی مشہور ہوئی کہ ایک مذہب ہوگئی بسبب عدم تمیز کے اور اکثر ایسا ہوا ہے واسطے علمائے محققین کے جیسا کہ واقع ہوا ہے علامہ ابن حاجب کے لئے بحث کلمہ لو میں کہ اُس نے رجوع کیا ہے طرف قول حکما کے اور ترک کردیا ہے اقوال متقدمین اہل عرب کو اور تم اس کلام کو خوب سمجھو۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمۃ

تیسری آیت

تیسری آیت انما یرید اللہ لیذ ھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا ہے اس آیت پر مفسرین نے اجماع کیا ہے اور جمہور علماء نے مثل احمد بن حنبل وغیرہ کے روایت کی ہے کہ یہ آیت علیؑ و فاطمہؑ و حسنین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ابو عبداللہ محمد بن عمران مرزبانی نے ابی الحمراء سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نو یا دس مہینہ تک آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر رہا دیکھا میں نے کہ وہ حضرت ہر صبح کو دولتسرا سے برآمد ہوکر علیؑ کے دروازہ پر تشریف لاتے اور دونوں بازو دروازہ کے پکڑ کے ارشاد فرماتے تھے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پس اسکے جواب میں علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ علیہم السلام کہتے تھے کہ علیک السلام یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر آپ فرماتے تھے کہ الصلوۃ رحمکم اللہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا یعنی اے اہلبیت نماز کا وقت ہے نماز پڑھو خدا تم پر رحمت نازل کرے جز ئے نیست کہ خدا ارادہ کرتا ہے کہ تم سے ہر رجس و عیب کو دور رکھے اور تم کو پاک و پاکیزہ رکھے جو حق ہے پاک رکھنے کا اُسکے بعد اپنے مصلے پر نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے لئے خلافت کا دعویٰ کیا پس واجب ہے کہ وہ جناب اپنے اس دعوی میں صادق ہوں ختم ہوا کلام علامہ کا۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ اجماع کرنا مفسرین کا اس آیت پر کہ علیؑ کی شان میں نازل ہوئی خلاف واقع ہے کیونکہ مفسرین نے اس پر اجماع نہیں کیا ہے بلکہ اکثر اسکے قائل ہوئے ہیں کہ یہ

آیت ازواج رسول کی شان میں نازل ہوئی ہے اور یہی امر ترتیب و نظم قرآن مجید کے بھی مناسب ہے خدا فرماتا ہے یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی واقمن الصلوٰۃ واتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔ یہ نص قرآن مجید کی دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ یہ آیت ازواج نبی کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ یہ آیت ضمن میں اُن کے حکایات اور اُن کے خطاب کے مذکور ہے لیکن جبکہ خدا نے صیغہ خطاب مونث سے صیغہ خطاب ذکور کی طرف عدول کیا ہے تو کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی ہو کل اہلبیت رسول کی شان میں خواہ وہ ذکور ہوں یا اناث پس اس طرح سے علیؑ و فاطمہؑ و حسنین علیہم السّلام و ازواج سب کے لئے شامل ہوگی اور اس شان نزول کے موافق رجس یہاں محمول طہارت پر تمام ذنوب سے نہیں ہے بلکہ رجس سے مراد شرک ہے اور بڑے بڑے فواحش ہیں مثل کبیرہ زنا کے جیسا کہ اسی بات پر سابق آیت دلالت کرتی ہے یعنی فیطمع الذی فی قلبہ مرض اور اگر ہم اس کو تسلیم بھی کرلیں کہ رجس سے مراد طہارت تمامی گناہوں سے ہے لیکن یہ امر مسلّم نہیں ہے کہ علی علیہ السّلام نے اپنے نفس کے لئے امامت کا دعویٰ کیا اور اگر اُن جناب نے امامت کا دعویٰ کیا ہوتا تو عاجزی کے ساتھ مخفی طور سے نہ کرتے اس لئے کہ آپ میں قوت و شجاعت اور اعوان و کثرت قبائل و عشائر و شرافت قوم و دیگر فضائل موجود تھے۔

پھر اگر رجس کے معنی گناہ کے لئے جائیں تو عائشہ سے گناہ روز جمل کا مواخذہ نہ کیا جائے گا کیونکہ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیت عائشہ و دیگر ازواج کے لئے نازل ہوئی ہے پس ایسی حالت میں اس آیت سے استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ختم ہوا قول ابن روزبہان۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

ابن روزبہان کے اس قول میں کئی وجہوں سے نظر ہے پہلے یہ کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مراد مصنف علیہ الرحمہ کی اس مقام پر اور مثل اس کے دیگر مقامات پر اجماع مفسرین سے اتفاق مفسرین اہل تشیع و اہل سنت ہے اور یہ بات محقق ہو جاتی ہے بعض مفسرین اہلسنت کے اتفاق کر لینے سے شیعوں کے ساتھ اور یہ بات محقق ہے کہ جس چیز کی طرف ایک گروہ کے لوگ جو اُن کے مقابل ہوں اُس میں موافقت کریں تو وہ چیز حجت ہو جائے گی سب پر اور نیز ہمنے اسکے قبل بیان کیا ہے کہ مراد مصنف کی اُن کی دعوائے اجماع سے وہ اجماع ہے کہ جو قبل ظہور مخالف تھا اور مخالف تازہ پیدا ہوا ہے جس کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے اور اسی وجہ سے ابن روزبہان نے یہ نہیں ذکر کیا کہ اکثر مفسرین مخالفین کون ہیں جنھوں نے ادعا کیا ہے اور کسی کا نام نہیں لیا ہے بلکہ ابن روزبہان کی تکذیب کی ہے اس باب میں اُس شخص نے جو اُس سے اعلم ہے علم حدیث و تفسیر میں اُن کے مشائخ سے کیونکہ شیخ ابن حجر نے کتاب صواعق میں بیان کیا ہے کہ اکثر مفسرین اسکے قائل ہوئے ہیں کہ یہ آیت علیؑ و فاطمہ و حسنین علیہم السّلام کے بارے میں نازل ہوئی بسبب ضمیر مذکر عنکم کے۔

دوسرے یہ کہ ابن روزبہان نے مناسبت قرآن کا جو ذکر کیا ہے تو اُسکی رعایت اُس وقت واجب ہوگی جبکہ کوئی مانع موجود نہو اور اس مقام پر بالکل واضح ہے کہ ضمیر عنکم و یطہرکم اور نیز بعض دوسرے قرائن خارجیہ جن کا ذکر آئیگا وہ یہاں مانع موجود ہیں اس امر سے کہ ازواج مراد لی جائیں اور مفسرین میں سے جو لوگ اس مناسبت پر نظر کر کے اسکے قائل ہوئے ہیں کہ آیت خصوص ازواج کے لئے ہے اُنھوں نے اپنے نفس کو شاعر کے اس قول کا مورد قرار دیا ہے کہ ایک چیز کو تو نے یاد کر لیا ہے اور بہت سی چیزیں تجھ سے غائب ہو گئی ہیں۔ علاوہ اسکے تغییر خطاب میں اُن آیات کے کہ باہم قریب بیان کئے گئے

ہیں اہلبیت و ازواج کے لئے اس میں ایک باریک بات ہے کہ ازواج کا ایک درجہ ہے اور اہلبیت کا دوسرا درجہ ہے خدا کے نزدیک۔

تیسرے یہ کہ قول اُس کا نص قرآن دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ یہ آیت ازواج کی شان میں نازل ہوئی پس اگر اس سے مراد اُسکی اُن آیات سے ہے کہ جس کو اُس نے ذکر کیا ہے اور وہ سابق ہیں آیت تطہیر پر کہ جن کو مصنف نے ذکر کیا ہے تو مسلم ہے کہ وہ دلالت کرتی ہیں اسی امر پر کہ اُن سے ازواج مراد لی جائے لیکن اس مراد لینے سے ابن روزبہان کو کوئی نفع نہیں ہے اور اُس نے اپنے اُس قول سے آیات سابقہ و آیہ تطہیر سب کو شامل کر کے عام اشارہ کیا ہو تو آیہ تطہیر کا ازواج کی شان میں نازل ہونے پر دلالت کرنا ظاہر البطلان ہے بلکہ وہ آیت نص ہے ازواج کے مقصود نہ ہونے پر جیسا کہ تجھکو بیان سابق سے معلوم ہوا اور آیندہ معلوم ہوگا لیکن اُس کا استدلال کرنا اس دلیل سے جسکو اُس نے اپنے فہم کے مطابق سمجھا ہے کہ یہ آیت چونکہ ضمن میں حکایت و خطاب ازواج کے ہے اس لئے آیہ تطہیر سے مقصود ازواج ہیں اس پر یہ اعتراض ہے کہ پہلی آیت نزول ازواج کے بارے میں اس امر کو منع نہیں کرتی ہے کہ جو آیت اُسکے ضمن میں ہو اور اُسکے متصل بعد اُس آیت کے غیر ازواج کے لئے نازل نہوئی ہو اور جبکہ غیر ازواج کے مراد ہونے پر دلیل بھی قائم ہو اور وہ دلیل یہ ہے کہ آیہ تطہیر میں ضمیر عنکم و یطہرکم موجود ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلعم نے امیرالمومنین علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ علیہم السّلام کو جمع کیا اور اُن کو کسا فدکی اوڑھا دی پھر فرمایا یہی میرے اہلبیت ہیں اے خدا تو ان سے ہر رجس کو دور رکھ اور اُن کو پاک رکھ جو حق ہے پاک رکھنے کا اور اسی طرح وہ روایت ہے جس کو مصنف رحمہ اللہ نے محمد بن عمران سے روایت کیا ہے اور یہ وہ روایت ہے کہ جسکو شیخ ابن حجر نے صواعق محرقہ کے باب عاشر میں نقل کیا ہے چنانچہ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح مسلم میں زید بن ارقم سے روایت

ہے اُنھوں نے کہا کہ فرمایا جناب رسول خدا صلعم نے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں اپنے اہلبیت کے بارے میں راوی کہتا ہے کہ ہم نے زید بن ارقم سے دریافت کیا کہ اہلبیت اُن جناب کے کون ہیں کیا آنحضرت کی ازواج ہیں۔ زید ابن ارقم نے کہا کہ نہیں قسم بخدا تحقیق کہ زوجہ اپنے شوہر کے ساتھ ایک مدت تک رہتی ہے پھر جبکہ شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دیدیتا ہے تو وہ اپنے باپ کے گھر چلی جاتی ہے اور اپنی قوم کی طرف رجوع کرتی ہے اہلبیت رسول آنحضرت کے اصل اور وہ اقارب قریبہ رسول صلعم ہیں کہ جو صدقہ سے محروم رہے بعد آنحضرت کے (یعنی جن بزرگواروں پر صدقہ حرام ہوا۔ مترجم) اور یہ حدیث جامع الاصول میں بھی مذکور ہے۔

جناب علامہ شہید ثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ زید بن ارقم کے اس قول سے کہ زوجہ اپنے شوہر کے ساتھ ایک مدت تک رہتی ہے اور بعد طلاق اپنے باپ کے گھر چلی جاتی ہے۔ الی آخر القول اس سے یہ ظاہر ہے کہ اطلاق اہلبیت کا ازواج پر موافق وضع لغت کے نہیں ہے بلکہ یہ اطلاق اطلاق مجازی ہے اور ممکن ہے مراد ابن ارقم کی یہ ہو کہ جو امر لائق ہے اس بات کے کہ اس حدیث کے امثال میں اہل البیت سے مراد لی جائے کہ اُس سے آنحضرت کے وہی اصل اقارب مراد ہوں کہ جن کی نسبت اُن جناب سے کبھی زائل نہیں ہوسکتی ہے نہ یہ کہ اہلبیت سے ازواج مراد ہوں اور دونوں تقدیروں پر یہ قول زید ابن ارقم کا مؤید مطلوب ہے (**قول مترجم** یعنی خواہ یہ مراد لی جائے کہ اطلاق اہلبیت کا ازواج پر اطلاق مجازی ہے یا یہ کہ اس حدیث کے امثال میں اہلبیت سے ازواج کا مراد لینا مناسب نہیں ہے) اور سید المحدثین جمال الملۃ والدین عطاء اللہ الحسینی نے اپنی کتاب تحفۃ الاحبار میں پانچ حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں سے دو حدیثیں وہ ہیں کہ جن کی سند جناب ام سلمہؓ تک پہونچتی ہے اور وہ اس بارے میں نص صریح ہیں کیونکہ ان میں کی ایک حدیث وہ ہے جسکو اُنھوں نے کتاب جامع ترمذی سے نقل کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حاکم نے اس حدیث کی صحت کا حکم دیا ہے وہ حدیث مشتمل ہے اس امر پر کہ

جب جناب رسالتمآب صلعم نے علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنین علیہم السّلام کو زیر عبا داخل کر کے اُنکی شان میں جو کچھ فرمانا تھا فرمایا اُس وقت جناب ام سلمہؓ نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آیا میں آپکے اہلبیت سے نہیں ہوں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہؓ سے فرمایا کہ تم نیکی پر ہو یا تم نیکی کی طرف ہو یعنی تمھارا مآل بخیر ہے اور دوسری حدیث وہ ہے جس کو اُنھوں نے کتاب المصابیح تصنیف ابو العباس احمد بن حسن مفسر ضریر اسفرائنی سے شان نزول آیہ تطہیر میں نقل کیا ہے وہ حدیث مشتمل ہے اس امر پر کہ جب آنحضرت صلعم نے امیر المومنین علیؑ و فاطمہ اور سبطین علیہم السّلام کو زیر عبا داخل فرمایا تو خدا سے دعا کی کہ بار الہا یہی میرے اہلبیت ہیں اور میرے اقارب قریبہ ہیں پاک ہیں اور میری اصل سے پاکیزہ پیدا ہونے والے ہیں اور میری اصل ہیں جو میرے خون و گوشت سے ہیں ہماری رجوع تیری طرف ہو نہ طرف نار کے اے بارخدایا اُن سے ہر گناہ اور ہر امر قبیح کو دور رکھ اور اُن کو پاکیزہ رکھ جو حق پاکیزہ رکھنے کا ہے اور آنحضرت صلعم نے اس دعا کو تین مرتبہ تکرار ارشاد فرمایا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ اے رسول خدا میں بھی ان اہلبیت کے ساتھ ہوں آنحضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمھارا انجام نیک ہے اور تم میری بہترین ازواج سے ہو۔ پھر سید المحدثین بیان کرتے ہیں کہ ان حدیثوں سے یہ بات ثابت و محقق ہو گئی کہ آیہ تطہیر انھیں پانچ بزرگواروں کی شان والاشان میں نازل ہوئی ہے یعنی خمسہ نجبا علیہم السّلام کے بارے میں اور یہی وجہ ہے کہ اُن کو آل عبا کہتے ہیں چنانچہ بعض اہل کمال نے کیا خوب نظم کیا ہے۔ علی اللہ فی کل الامور توکلی + وبالخمس اصحاب العباء توسلی + محمد المبعوث حقا و بنتہ + و سبطیہ ثم المقتدی للمرتضیٰ علی۔ یعنی میں تمام امور میں خدا پر توکل کرتا ہوں اور اپنے جملہ امور میں آل عبا علیہم السّلام سے توسل کرتا ہوں کہ جو پانچ بزرگوار ہیں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جو رسالت و نبوت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور اُن کی بیٹی فاطمہؑ زہرا اور آنحضرتؐ کے دونوں نواسے حسنین علیہما السّلام اور امیر المومنین

علی علیہ السلام کہ جو ہمارے مقتدی ہیں اور یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ یہ احادیث معارض ہیں اس روایت کے کہ جو حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ اُن معظمہ نے جناب رسول خدا صلعم سے عرض کیا کہ میں آپکے اہلبیت سے نہیں ہوں تو آنحضرتؐ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہاں انشاء اللہ۔ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ اول تو یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اگر صحت سند حدیث کو بھی ہم تسلیم کرلیں تو ہم کہیں گے کہ جناب ام سلمہؓ کا اہلبیت سے ہونا اس روایت میں خداوند عالم کی مشیت پر معلق ہوا ہے پس جناب ام سلمہ اہلبیت میں قطعاً داخل نہ ہونگی باوصف اسکے کہ اگر ام سلمہؓ اہلبیت سے ہوتیں تو وہ معظمہ جناب رسول خدا صلعم سے ایسا سوال نہ کرتیں کیونکہ حضرت ام سلمہؓ اہل زبان سے ہیں اُن سے یہ امر مخفی نہیں رہ سکتا اور اگر معارضہ اس حدیث کا احادیث مذکورہ سے فرض کیا جائے تو ترجیح اُنھیں احادیث کو ہوگی اور یہ امر ظاہر ہے۔

اور نیز اس آیت سے ازواج اسلئے مراد نہیں ہوسکتیں کہ عرف میں کسی شخص کے اہلبیت سے اُسکے خاندان والے جو قرابت قریبہ رکھتے ہوں مقصود ہوتے ہیں اور ازواج مقصود نہیں ہوتے اور اہلبیت سے اہل قرابت قریبہ ہی کے معنی ذہن کی طرف سابق ہوتے ہیں اور ہر زمانہ کے لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں اور یہی اشعار و اخبار میں بھی متداول ہے پس کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو شعر یا نثر میں اہلبیت نبی کا ذکر کرے اور اُس میں اہلبیت کو چھوڑکے ازواج کو مراد لے اور یہ امر ایسا ہے کہ اس سے کسی کو انکار ممکن نہیں ہے

جناب علامہ شہید ثالث علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ پھر میں کہتا ہوں کہ مناقشہ جمہور کا اس مقام پر اس وجہ سے ہے کہ اُنھوں نے آیت و حدیث میں بیت کو اُس بیت پر محمول کیا ہے کہ جو مٹی و لکڑی سے بنایا گیا ہو اور جو مشتمل ہے اُن حجروں پر کہ جن میں جناب رسالتمآب صلعم مع اہلبیت اور ازواج کے سکونت اختیار فرماتے تھے اور اگر بیت سے یہی گھر مقصود ہوتا جس کو جمہور نے سمجھا ہے تو اس صورت میں یہ احتمال ہوسکتا تھا لیکن یہ امر ظاہر ہے کہ مراد اہلبیت سے اہلبیت نبوت ہیں مطابق قول اُنھیں عرب کے ہے کہ اہل اللہ و

واھل القرات - اور کچھ شک نہیں ہے کہ یہ امر یعنی اہلبیت نبوت سے ہونا کمال اہلبیت و استعداد پر موقوف ہے جس کے انجام میں متصف کا خدا اور رسول کی طرف سے منصوص اور معین ہونا لازم ہے جیسا کہ اہلبیت کا منصوص اور معین بہ طہارت ہونا اس آیہ مبارکہ اور حدیث میں واقع ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب ام سلمہ رض کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کریں کہ آیا اُن میں زمرہ اہلبیت علیہم السلام میں داخل ہونے کی قابلیت واہلیت ہے یا نہیں جیسا کہ اسکے متعلق حدیث گذر چکی اور جو کچھ ہمنے اس مبحث میں ذکر کیا ہے اس کے مافوق ایک امر اور ہے وہ یہ کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اختلاف آیہ تطہیر میں ماقبل کی آیتوں کے ساتھ بطریق التفات ہو ازواج سے عدول کر کے طرف جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے اہلبیت کے ان معنوں سے کہ ازواج کا تادیب کرنا اور اُن کو نیکی کی طرف رغبت دلانا یہ امر اہلبیت علیہم السلام سے رجس سے اور عیب دور کرنے کے ملحقات سے ہو پس حاصل نظم و ترتیب آیت اس بنا پر یہ ہوگا کہ خداوند عالم نے ازواج نبی صلعم کو رغبت دلائی ہے کہ وہ پارسائی کریں اور نیکی اختیار کریں اس طرح پر کہ خداوند عالم نے ضرور ارادہ کیا ہے ازل میں کہ اے اہلبیت رسول تم کو معصوم قرار دے اور یہ بات مناسب ہے کہ جو معصوم کی طرف منسوب ہو وہ عفیف اور صالح ہو جیسا کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے الطیبات للطیبین یعنی پاکیزہ کلمے پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں اور نیز ہمارا یہ اعتراض ہے کہ اس امر کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت ایک ہی مرتبہ اس ترتیب سے نازل ہوئی اور لوح محفوظ میں اسی ترتیب سے مرقوم تھی اور کون مانع ہے اس مقام پر کہ آیہ اِنّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا علاوہ وقت نزول آیہ اقمن الصلوٰۃ وآتین الزکوۃ کے نازل ہوا ہو اور عثمان یا کسی اور نے اس آیت کو ازواج کے آیت کے ضمن میں لکھدیا ہو اس خیال سے تاکہ مراد آیہ تطہیر سے ازواج ہی سمجھے جائیں اور ان لوگوں نے اپنے اجتہاد سے اس طرح پر آیات کی ترتیب کردی ہو اور

واھل القرات - اور کچھ شک نہیں ہے کہ یہ امر یعنی اہلبیت نبوت سے ہونا کمال اہلبیت و استعداد پر موقوف ہے جس کے انجام میں متصف کا خدا اور رسول کی طرف سے منصوص اور معین ہونا لازم ہے جیسا کہ اہلبیت کا منصوص اور معین بہ طہارت ہونا اس آیہ مبارکہ اور حدیث میں واقع ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب ام سلمہؓ کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کریں کہ آیا اُن میں زمرہ اہلبیت علیہم السلام میں داخل ہونے کی قابلیت واہلیت ہے یا نہیں جیسا کہ اسکے متعلق حدیث گذر چکی اور جو کچھ ہمنے اس مبحث میں ذکر کیا ہے اس کے مافوق ایک امر اور ہے وہ یہ کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اختلاف آیہ تطہیر میں ماقبل کی آیتوں کے ساتھ بطریق التفات ہوا ازواج سے عدول کرکے طرف جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے اہلبیت کے ان معنوں سے کہ ازواج کا تادیب کرنا اور اُن کو نیکی کی طرف رغبت دلانا یہ امر اہلبیت علیہم السلام سے رجس سے اور عیب دور کرنے کے ملحقات سے ہو پس حاصل نظم و ترتیب آیت اس بناء پر یہ ہوگا کہ خداوند عالم نے ازواج نبی صلعم کو رغبت دلائی ہے کہ وہ پارسائی کریں اور نیکی اختیار کریں اس طرح پر کہ خداوند عالم نے ضرور ارادہ کیا ہے ازل میں کہ اے اہلبیت رسول تم کو معصوم قرار دے اور یہ بات مناسب ہے کہ جو معصوم کی طرف منسوب ہو وہ عفیف اور صالح ہو جیسا کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے الطیبات للطیبین یعنی پاکیزہ کلمے پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں اور نیز ہمارا یہ اعتراض ہے کہ اس امر کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت ایک ہی مرتبہ اس ترتیب سے نازل ہوئی اور لوح محفوظ میں اسی ترتیب سے مرقوم تھی اور کون مانع ہے اس مقام پر کہ آیہ إنما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا علاوہ وقت نزول آیہ اقمن الصلوٰۃ وآتین الزکوٰۃ کے نازل ہوا ہو اور عثمان یا کسی اور نے اس آیت کو ازواج کے آیت کے ضمن میں لکھدیا ہو اس خیال سے تاکہ مراد آیہ تطہیر سے ازواج ہی لئے جائیں اور ان لوگوں نے اپنے اجتہاد سے اس طرح پر آیات کی ترتیب کردی ہو اور

اور اس کا انکار ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ امر تو معلوم ہے کہ بوقت ترتیب مصاحف (جمع مصحف یعنی قرآن) اختلاف کثیر واقع ہوا تھا یہاں تک کہ لوگ جمع کئے گئے مصحف عثمان پر اور جو کچھ اختلاف مواقع ہوا تھا وہ صرف ترتیب میں ہوا تھا اور نہ قرآن کے متواتر ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں اور یہ امر ظاہر ہے۔

چوتھے۔ ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ اس مقام پر رجس محمول علی الطہارۃ تمامی ذنوب سے نہیں ہے مردود ہے اس طرح پر کہ رجس طہارت پر محمول نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے بلکہ طہارت محمول ہوتی ہے طہارت پر رجس سے اور نیز اس کا یہ جواب ہے کہ جن لوگوں نے طہارت کو محمول کیا ہے طہارت کل ذنوب سے ان کا محمول کرنا اس بنا پر ہے کہ مراد ان اہلبیت سے کہ جو آیت میں مذکور ہیں آل عبا علیہم السّلام ہیں نہ کہ اس تقدیر پر کہ مراد اہلبیت سے ازواج ہوں (قول مترجم۔ یعنی طہارت کا محمول کرنا طہارت پر کل ذنوب سے اور اس سے ازواج نبی مراد لینا باطل ہے کیونکہ ازواج کا کل ذنوب سے بری ہونا منفی ہے اور نیز یہ کہ ذکر طہارت مقتضی ہے عصمت کا اور یہ بھی بلااتفاق ثابت ہے کہ ازواج نبی معصوم نہ تھیں پس معلوم ہوا کہ اہلبیت سے مراد وہی خمسہ نجبا علیہم السّلام ہیں) اور یہ جو ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے کہ ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ امیرالمومنین علیہ السّلام نے اپنے نفس کے لئے دعویٰ خلافت کیا پس اس کی بابت استدلال تفصیلی سابق میں گذر چکا ہے۔

پانچویں یہ جو اُس نے بیان کیا ہے کہ اگر رجس محمول گناہ پر کیا جائے تو عائشہ سے واقعہ جنگ جمل میں مواخذہ نہ کیا جائیگا پس یہ اُس کا دعویٰ ظاہر البطلان ہے کیونکہ عائشہ کا اس آیہ میں داخل ہونا ایک فرض محال ہے اور یہ امر جائز ہے کہ ایک محال مستلزم ہو دوسرے محال کا پس اس کو سمجھو اور غور کرو۔

اور منجملہ اُن امور کے جن پر تنبیہ کی جائے ایک امر یہ ہے کہ آیت میں ارادہ کی جو خبر دی گئی ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ کے ساتھ وہ خبر ہے وقوع فعل کی بالخصوص (یعنی آیہ

تطہیر کا مدلول یہ ہے کہ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ اہلبیت سے رجس دور ہو جائے اور اسکا فعل واجب الوقوع ہے) نہ یہ کہ وہ ارادہ ہے کہ جس کے سبب سے امر ہوتا ہے اس لئے کہ قول حق تعالیٰ کا یرید اللہ لیبین لکم اور یرید اللہ بکم الیسر کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ عام ہے پس اگر ارادہ مذکور آیہ تطہیر اور ارادہ مذکورہ ان دونوں میں کوئی فرق نہ ہوتا تو اس ارادہ کی خصوصیت پر اہلبیت علیہم السّلام سے کوئی معنی نہ ہوتے کیونکہ خداوند عالم نے اس ارادہ سے اہلبیت علیہم السّلام کی مدح کا قصد کیا ہے اور مدح جب ہی کی جاتی ہے جبکہ فعل واقع ہو جائے اور کسی کو اس کا توہم نہ ہو کہ کسی صفت کا دور کرنا نہیں ہوتا ہے مگر بعد اسکے کہ وہ ثابت ہو پس قول خداوند عالم لیذھب عنکم الرجس اس امر پر دلیل ہوگا کہ نعوذ باللہ رجس اہلبیت علیہم السّلام میں موجود تھا اور بعد اسکے دور کیا گیا پس یہ توہم مردود ہے اس طرح پر کہ بنا اس قول کی تخیل ذہنی پر ہے پس وہ تخیل ذہنی ثابت نہ ہوگا آیا نہیں دیکھتا تو کہ اگر اپنے مخاطب سے کہتا ہے کہ اذھب اللہ عنک کل مرض اور حالانکہ وہ مرض اسمیں موجود نہیں ہوتا پس یہ آیت زائل کریگی اس خیال کو کہ جو انسان اپنے ذہن میں لاتا ہے یعنی جس طرح سے کہ دعا مرض متخیل کے لئے صحیح ہے اسی طرح سے ذہاب رجس متخیل کا صحیح ہے اور عنقریب بیان کیا جائیگا بحث اجماع میں جہاں کہ مصنف نے استدلال کیا ہے حجیت اجماع اہلبیت پر اس آیت سے وہ کلام جس کو ابن روزبہان نے اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے اور اس کو اس آیت کی نظیر قرار دیا ہے تمام آدمیوں کے لئے اور اسکے اس کلام پر ہماری تنبیہ بھی مذکور ہوگی کہ جس سے ابن روزبہان کا کفر باللہ و بغض و عداوت اہلبیت لازم آتی ہے اور ہمنے اس آیت کی تحقیق میں ایک علیحدہ رسالہ تصنیف کیا ہے پس جس کو اس سے زیادہ تفصیل و تحقیق مقصود ہو وہ اس رسالہ کا مطالعہ کرے و باللہ التوفیق (جناب شہید ثالث قاضی سید نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ اپنی کتاب احقاق الحق میں جس رسالہ کا ذکر فرماتے ہیں وہ وہی رسالہ ہے جس کو ہمنے زبان اردو میں ترجمہ کرکے

رسالۂ آیۂ تطہیر جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

اصل مع ترجمہ طبع کرادیا ہے۔ مترجم

شیخ کلام علامہ حلی علیہ الرحمۃ

چوتھی آیت دلیل امامت قول باری تعالیٰ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ ہے احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو اصحاب نے آنحضرت صلعم سے سوال کیا کہ یا حضرت وہ قرابت دار آپ کے جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے کون ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وہ علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ ہیں اور وجوب محبت مقتضی ہے کہ اطاعت بھی اُن کی واجب قرار پائے۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ مفسرین نے اس آیت کے معنوں میں اختلاف کیا ہے۔ پس بعض نے کہا ہے کہ یہاں استثنار منقطع ہے اور معنی آیت یہ ہیں کہ میں تم سے رسالت کا کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر چونکہ مودت قرابت کی جو میرے اور تمھارے درمیان میں حاصل ہے۔ پس اس وجہ سے میں تمھاری ہدایت میں سعی کرتا ہوں اور رسالت کو تمھاری طرف تبلیغ کرتا ہوں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس مقام پر استثنار متصل مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ میں رسالت و نبوت پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں مگر یہ کہ تم میرے اہل قرابت سے محبت کرتے رہو اور اس معنی کے بنا پر ظاہر آیت شامل ہوگا۔ جمیع اہل قرابت نبی صلعم کے لئے اور اگر ہم تخصیص کریں اُن اشخاص کے ساتھ جن کا ذکر کیا گیا ہے (یعنی جناب امیرؑ اور حضرت فاطمہؑ اور حسنینؑ) تو حضرت علیؑ کی خلافت پر دلیل نہ ہوگی بلکہ آنحضرت کی وجوب محبت پر دلیل ہوگی اور ہم اس امر کے قائل ہیں کہ محبت علیؑ کی تمام مسلمین پر واجب ہے اور محبت طاعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر مطاع (جس شخص کی اطاعت کی جائے) صاحب

ریاست وحکومت بھی ہو اور تعجب ہے اس شخص سے (جناب علامہ حلی رحمہ) کہ اس آیت کو اپنے مطلوب پر دلیل لاتا ہے حالانکہ تقریر طریق استدلال سے بہت بعید ہے اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتا (**قول مترجم**۔ میں کہتا ہوں کہ جناب علامہ حلی رحمہ اللہ کے فہم وطریق استدلال پر جو اعتراض ابن روزبہان نے کیا ہے وہ اسقدر عناد صریح ہے کہ اہل نظر پر مخفی نہیں اور ابن روزبہان کی نافہمی ومجانبت استدلال کی نظیر ابھی ابھی تفسیر آیہ تطہیر میں گذر چکی ہے کہ ضمیر عنکم وعنکن کا اس کو کچھ فرق معلوم نہوا اور ازواج کے مراد لینے پر کسقدر اعوجاج سے کام لیا اور یہ نہ سمجھ میں آیا کہ طریق استدلال سے اہل فہم کے نزدیک وہ تقریر کسقدر بعید ہوگئی ہے ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور)

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمۃ

میں کہتا ہوں کہ محققین واہل اصول عربیت کی تقریروں سے یہ امر ثابت ہے کہ استثنار منقطع مجاز ہے اور واقع ہے خلاف اصل پر اور استثنار منقطع پر اُسی وقت محمول ہوتا ہے جبکہ استثنار متصل کا محمول ہونا ممکن نہو بلکہ اکثر ظاہری لفظ سے جس کی طرف ذہن سابق ہوتا ہے عدول کرتے ہیں تاکہ استثنار متصل پر جو کہ ظاہر ہوتا ہے حمل کریں جیسا کہ اس مطلب کی تصریح شارح عضدی نے کی ہے اور کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ استثنار متصل اظہر ہے اور استثنار مشترک نہیں ہے متصل ومنفصل میں اور نہ قدر مشترک کے لئے ہے بلکہ متصل میں استثنار حقیقت ہے اور منقطع میں مجاز ہے اسی لئے تمام شہروں کے علما استثنار کو منفصل پر حمل نہیں کرتے مگر جبکہ متصل متعذر ہو یہاں تک کہ ظاہر سے عدول کر کے حمل متصل پر کرتے ہیں اور وعندی مائۃ درہم الا ثوباً (میرے پاس سو درہم ہیں مگر ایک کپڑا) اسکے معنی یہ کہتے ہیں کہ میرے پاس سو درہم ہیں مگر ایک کپڑے کی قیمت نہیں ہے تا آخر کلام اور یہ جو ابن روزبہان نے بیان کیا ہے کہ ظاہر آیت شامل ہوگی جمیع اہل قرابت نبیؐ کے لئے پس یہ بات قابل تسلیم تھی۔ لیکن حدیث صحیح نے علیؑ وفاطمہ وحسنین علیہم

السلام کے ساتھ تخصیص کردی ہے پس اس امر کی ضرورت نہیں کہ محض احتمال سے بتکلف تخصیص کی جائے لہذا قول ابن روزبہان کا کہ اگر ہم تخصیص کریں صحیح نہ ہوگا کیونکہ جب حدیث صحیح نے تخصیص کردی تو پھر اپنی طرف تخصیص کی نسبت باطل ہے لیکن یہ جو ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت خلافت علیؑ پر دلالت نہیں کرتی ہے پس یہ محض اس کی جہالت ہے یا وہ اپنے کو بتکلف جاہل بناتا ہے کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ علیؑ کی محبت واجب ہے اور مقتضائے آیت یہ ہے کہ خداوند عالم نے رسالت کا اجر مودت قربیٰ اس شخص کے واسطے قرار دیا ہے کہ جو اس رسالت کی وجہ سے ثواب دائمی پانے کا مستحق ہو اور یہ امر اسی وقت واجب ہوگا جبکہ اہل قرابت نبی معصوم بھی ہوں کیونکہ اگر ان سے خطا واقع ہوگی تو ان کی مودت کا ترک کرنا واجب ہوگا اسلئے کہ خداوند عالم دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے لاتجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ اے رسول آپ ان لوگوں کو جو خدا پر ایمان لائے اور روز قیامت کے قائل ہوئے نہ پائیں گے کہ وہ دوست رکھیں ان لوگوں کو جو خدا اور رسول سے دشمنی رکھتے ہیں اور سوائے علیؑ کے کوئی دوسرا معصوم نہیں ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے پس وہ جناب امامت کیلئے معین ہونگے اور بتحقیق کہ ابن حجر نے کتاب صواعق کے دسویں باب میں اپنے امام شافعی سے وجوب محبت اہل بیت کے بارے میں بعض اشعار کو نقل کیا ہے جس سے ابن روزبہان کی خوب تفضیح و تکذیب ہوتی ہے اور یہ قول ہے امام شافعی کا شعر

یا اہل بیت رسول اللہ حبکم فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

یعنی اے اہل بیت رسول خدا تمہاری محبت خدا کی طرف سے قرآن میں واجب کی گئی ہے اور تمہاری بزرگی اور عظیم المنزلت ہونے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ جو شخص نماز میں تم پر صلوات نہ بھیجے اسکی نماز ہی درست نہیں ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ شیعوں پر یہ امر واجب نہیں ہے کہ وہ امامت

امیر المومنین علیہ السّلام کے لئے سنیوں پر دلیل قائم کریں کیونکہ اہل تسنن اہل تشیع کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علیؑ بعد رسول اللہ کے امام ضرور ہوئے زیادہ سے زیادہ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ شیعہ واسطہ کی نفی کرتے ہیں اور اسکے قائل ہیں کہ بعد رسولخدا صلعم بلا واسطہ و فاصلہ خلیفہ بلا فصل آنحضرت کے ہیں اور اہل تسنن واسطہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ جناب بعد رسول بلا فاصلہ خلیفہ نہیں ہوئے بلکہ چوتھے خلیفہ ہوئے پس جو شخص کسی بات کا مدعی ہو ثبوت و دلیل لانا اُسی پر لازم ہے نہ یہ کہ جو کسی امر کی نفی کرتا ہو وہی واسطے اُس کی دلیل بھی لائے جیسا کہ اسکے متعلق اپنے مقام پر تقریر کی گئی ہے اگر یہ لوگ امیر المومنین علیہ السّلام کے انکار امامت سے مطلقاً ترک اجماع کے مرتکب ہوتے تو اُس وقت شیعوں پر امامت علی علیہ السّلام کے لئے دلیل کا قائم کرنا واجب ہوتا (حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ لوگ آنحضرت کو امام ضرور تسلیم کرتے ہیں اگرچہ کسی وقت میں سہی یعنی چوتھے مرتبہ پر خلیفہ ہونا آپ کا مسلم ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں) اور خداوند عالم راہ راست کی ہدایت کرنے والا ہے۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

پانچویں آیت قول ہے حق سبحانہ تعالی کا ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ ثعلبی نے کہا ہے کہ ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ آیت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کی شان میں نازل ہوئی جبکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ مشرکین کے خوف سے غار میں تشریف لے گئے اور وہاں مخفی ہوئے امیر المومنین علیہ السّلام کو قرض اور امانتیں ادا کرنیکے لئے مکہ میں چھوڑ گئے پس وہ جناب فرش نبی پر سوئے اور مشرکین مکہ نے آنحضرت کے گھر کو ہر چہار طرف سے گھیر لیا اُس وقت خداوند عالم نے حضرت جبرئیل و میکائیل کی طرف وحی فرمائی کہ اے ملائکہ ہمارے سبب نے تم دونوں کے درمیان میں برادری قائم کی ہے اور تم دونوں

ہیں سے ہر ایک کی عمر ایک سے دوسرے کی زیادہ قرار دی پس آیا تم میں سے کون اپنے بھائی کے لئے ایثار کرتا ہے کہ اپنی زندگانی دوسرے کے واسطے دیدے لیکن ان فرشتوں میں سے کسی نے بھی اس امر کو قبول نہ کیا بلکہ ہر ایک نے اپنی اپنی زندگانی اپنے ہی لئے پسند کی اُس وقت اُن فرشتوں کی جانب خطاب رب العزت ہوا کہ تم دونوں علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے مثل کیوں نہیں ہوتے کہ میں نے اُن کی اور محمد صلعم کے درمیان بھی برادری قرار دی تھی تو اُنھوں نے اپنی جان کو حفاظت رسول کے لئے ایثار کر دیا اور اپنی نفس کو نذر کرکے فرش خواب نبیؐ پر کس طرح آرام کر رہے ہیں پس تم دونوں زمین پر نازل ہو اور علیؑ کو ان کے دشمنوں سے بچاؤ وہ دونوں ملک مقرب زمین پر آئے ایک یعنی (جبرئیلؑ) بالین امیرالمومنین اور دوسرے (میکائیل) پائین پا حضرت کے بیٹھے اور کہتے جاتے تھے کہ مبارک ہو مبارک ہو آپ کو کون ہے مثل آپ کا اے فرزند ابو طالب کہ خداوند عالم آپ کی ذات سے ملائکہ پر فخر و مباہات کرتا ہے۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ مفسرین نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ آیت کسکے بارے میں نازل ہوئی اُن میں بہت سے اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ آیت صہیب رومی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ ایک مسافر تھا مکہ میں پس جبکہ آنحضرت نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو اس شخص نے بھی ہجرت کا قصد کیا لیکن قریش نے اُس کو ہجرت کرنے سے منع کیا اُس بیچارہ نے قریش سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کثیر المال ہوں میں اپنا مال بھی تمھارے لئے چھوڑے جاتا ہوں مجھ کو یہاں سے جانے دو کہ میں خدا کی راہ میں ہجرت کروں اور تم میرا مال سب لے لو پس جبکہ صہیب رومی اپنا کل مال چھوڑ کر چلا گیا اُس وقت خدا نے اس آیت کو نازل فرمایا صہیب جب آنحضرت کی خدمت میں پہونچا تو آپ نے اس آیت کو اُسکے لئے تلاوت فرمایا اور اُس سے

یہ ارشاد فرمایا کہ تیری بیع میں نفع ہوا ہے اور اکثر مفسرین اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ آیت
زبیر بن العوام و مقداد بن اسود کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ آنحضرت صلعم نے ان کو
اس لئے بھیجا تھا کہ خبیب بن عدی کو صلیب سے اتار لائیں اور خبیب کو اہل مکہ نے صلیب پر
چڑھایا اور گرد اُن کے چالیس مشرک جمع تھے پس زبیر بن عوام و مقداد بن اسود نے اپنی
جانیں فدا کر کے خبیب کو صلیب پر سے اوتارا اس وقت یہ آیت ان دونوں کے بارے
میں نازل ہوئی اگر یہ آیت امیر المومنین علی علیہ السّلام کی شان میں نازل ہوئی ہے تو یہ اُنکی
فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور اس امر پر بھی دلیل ہے کہ وہ جناب اطاعت رسول میں بہت
کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی جان و روح آنحضرتؐ پر نثار کر دی اور یہ سب فضائل
علیؑ کے مسلم ہیں کسی کو ان میں کلام نہیں ہے۔ لیکن یہ آیت آنحضرتؐ کی امامت پر نص نہیں
ہے جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ فخر الدین رازی و نظام الدین نیشاپوری اپنی تفسیروں میں روایت
کرتے ہیں کہ یہ آیت امیر المومنین علی علیہ السّلام کی شان میں نازل ہوئی جیسا کہ علامہ حلی
رحمہ اللہ نے روایت فرمایا ہے اور سعید بن مسیب سے اس آیت کا شان نزول صہیب رومی
کی بابت بھی نقل کیا گیا ہے مگر سعید شخص فاسق و شقی و دشمنان اہلبیت علیہم السّلام سے
ہے اور یہ امر جمہور کی کتب سے ظاہر ہوتا ہے۔ نیز اُس کے آثار عداوت سے ایک یہ امر
بھی ہے کہ اُس نے جناب امام علی بن الحسینؑ زین العابدین علیہ السّلام کے جنازہ پر نماز نہیں
پڑھی باوصفیکہ اُس کے غلام نے اُس کو خبر بھی دی اور اُس کو شقی کے لفظ سے خطاب کرنے
کی وجہ اپنے مقام پر مذکور ہوئی ہے۔ علاوہ بریں اس روایت کا کوئی ربط مدلول آیت
سے نہیں ہے کیونکہ مدلول آیہ نفس و روح کا بذل کر دینا ہے اور نہ مدلول اُس روایت

کا جو ابن روزبہان نے نقل کی ہے بذل مال ہے اور کہاں مال کا خدا کی راہ میں صرف کرنا اور کہاں اپنی جان کو راہ خدا میں قربان کر دینا۔ اور یہ بھی ایک امر ابن روزبہان کی علو اہلبیت علیہم السّلام میں سے ہے کہ وہ اس بات پر بھی راضی نہوا کہ وہ روایت جو منقبت امیر المومنین علیہ السّلام پر شامل تھی اُس کو اپنے مقام سے پھیر کے ایک آزاد قریشی پر ہی منطبق کرتا بلکہ اُس نے اس روایت کو ایک غلام اسود رومی کی طرف منسوب کیا جس کی بابت اُس کو علم ہوا کہ دشمن اہل بیتؑ ہے اور غالباً جب ابن روزبہان کو یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ آیت صہیب کے متعلق مرتبط نہیں ہوتی تو اُس کو زبیر و مقداد کی شان سے مرتبط بنا دیا۔ اور ابن روزبہان کا یہ بیان کرنا کہ آیت امیر المومنین علیہ السّلام کی امامت پر نص نہیں ہے پس یہ مکابرہ صریحہ ہے کیونکہ جب جبرئیل سے ملک مقرب نے اس واقعہ میں علی بن ابی طالب کو من مثلک یا بن ابی طالب کہا (یعنی اے علی بن ابی طالب تمہارا مثل کون ہو سکتا ہے جو اس طرح اپنی جان فدا کر دے) تو معلوم ہوا کہ ذات امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام کا کل عالم میں کوئی مثل و نظیر نہیں ہے اور کم سے کم یہ تو سب کو ماننا پڑے گا کہ اصحاب رسول خدا صلعم میں کوئی دوسرا شخص مثل و نظیر امیر المومنین علیہ السّلام کا نہیں ہے اور جب یہ بات تسلیم ہوگئی تو یہ آیت اُن جناب کی امامت کے لئے نص قرار پائیگی قطعاً نہ یہ کہ وہ شخص امام معین ہو جو کسی ایک فضیلت میں بھی اُن حضرت کا نظیر نہ ہو جیسا کہ اس کلام سے صریحاً ظاہر ہے اور اس حالت میں کہ ایک فاضل موجود ہو دوسرے مفضول کو اس پر اگر ترجیح دینگے تو ترجیح مفضول کی فاضل پر لازم آئیگی اور یہ باطل ہے چنانچہ اس کا بیان اس سے قبل گذر چکا ہے۔ پس اُس کو سمجھو اور یاد کرو اور کیا خوب بعض فضلا و شعرا نے آنحضرت کے شب ہجرت میں فرش خواب رسول پر آرام کرنے سے اُن جناب کی فضیلت کا اشارہ کیا ہے چنانچہ کہتا ہے۔ شعر

نیست در بحث امامت معتبر قول فضول

در شب ہجرت کہ خوابید ست برجائے رسولؐ

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

چھٹی آیت آیہ مباہلہ ہے اور وہ قول باری تعالیٰ قل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم ونسائنا ونسائکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین ہے، مفسرین نے اجماع کیا ہے کہ ابنائنا سے اشارہ حسنؑ و حسینؑ علیہما السلام کی طرف ہے اور نسائنا اشارہ ہے طرف فاطمہ زہرا علیہا السلام کے اور انفسنا اشارہ ہے علی السلام کی طرف پس خداوند عالم نے امیرالمومنین علیہ السلام کو نفس رسول قرار دیا ہے اور مراد اس مقام پر مساوات ہے صفات کمال میں (علاوہ مرتبہ نبوت و رسالت کے) اور جو شخص اکمل اور اولیٰ بالتصرف کا مساوی ہوگا وہ خود بھی کامل ترین افراد ناس و اولیٰ بالتصرف ہوگا اور یہ آیت مولانا امیرالمومنین علیہ السلام کی بزرگی منزلت پر بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ خداوند عالم نے حکم دیا ہے امیرالمومنین علیہ السلام کے مساوی ہونے کا نفس رسول صلعم سے اور حق سبحانہ تعالیٰ نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کو اس بات کے لئے معین فرمایا ہے کہ رسول اُن کی استعانت سے دعا کریں اور اس فضیلت سے زیادہ اور کونسی فضیلت عظیم ہوگی کہ خداوند عالم اپنے رسول کو حکم دے کہ وہ علیؑ سے استعانت حاصل کریں اُس کی طرف مدد کرنے میں اور اُن کو وسیلہ قرار دیں اپنی دعا کے قبول ہونے کا اور آیا کوئی شخص ایسا ہے کہ جس کے لئے یہ فضیلت عظیمہ حاصل ہوئی ہو۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ ارباب مباہلہ کی عادت ہمیشہ سے یہ تھی کہ وہ اپنے اہلبیت و اہل قرابت کو جمع کیا کرتے تھے تاکہ مباہلہ میں کل افراد شامل ہو جایا کریں۔ پس اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اولاد اور عورتوں کو جمع کیا اور مراد انفس سے (انفسنا میں) مرد ہیں

بس گویا خداوند عالم نے رسول کو حکم دیا کہ اپنی عورتوں کو اور اولاد کو اور اپنے اہلبیت کے مردوں کو جمع کریں لہذا عورتیں تو فاطمہؑ ہوئیں اور اولاد حسنینؑ ہوئے اور مردوں سے مراد خود رسول اللہؐ اور علیؑ ہیں لیکن اس آیت میں جو دعویٰ علامہ حلّی نے مساوات کا کیا ہے وہ قطعاً باطل ہے اور بطلان دعویٰ مساوات ضروریات دین سے ہے کیونکہ غیر نبی مساوی نبی ہرگز نہیں ہوسکتا اور جو شخص دعویٰ مساوات کریگا وہ اپنے دین سے خارج ہو جائے گا اور کسی کو نبی سے مساوات کیونکر ممکن ہوگی حالانکہ وہ جناب خاتم الانبیاء اور افضل انبیاء اولوالعزم ہیں اور یہ کل صفات علیؑ کی ذات میں موجود نہ تھے۔ ہاں البتہ امیرالمومنین علیؑ کے لئے اس آیت میں ایک فضیلت عظیمہ ہے اور وہ مسلم ہے لیکن یہ آیہ اُن جناب کی امامت پر بطور نص دلیل نہوگا۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

ابن روزبہان کے اس قول کی طرف بہت سے وجوہ کلام کے متوجہ ہیں اول یہ جب ارباب مباہلہ کی یہ عادت تھی کہ اپنے اہلبیت و قرابت کو مباہلہ میں جمع کیا کرتے تھے تاکہ کل اصحاب اُن کے شریک مباہلہ ہوں جیساکہ ابن روزبہان نے ظاہر کیا ہے اور یہ بھی مانا کہ مباہلہ میں وہی لوگ ہونے چاہئیں جن کے باب میں مزید عنایت خدا ہو پس نبی نے اس عادت کی کیوں مخالفت کی اور آنحضرت نے بنی ہاشم کے کل اہل قرابت و اصحاب کو مباہلہ میں کیوں نہ شامل فرمایا بلکہ عورتوں میں سے جناب فاطمہؑ زہرا کو اور مردوں سے علیؑ ابن ابی طالب کو اور اولاد میں سے حسنؑ و حسینؑ علیہما السّلام کو ہی مخصوص کیا جبکہ اُن جناب نے عادت مقررہ مباہلہ کی مخالفت فرمائی اور صرف چار آدمیوں کو شریک مباہلہ کیا تو معلوم ہوا کہ اور باقی لوگ اہل قرابت سے خدا کے اُس مقام قرب و مزید عنایات سے علیحدہ تھے جس پر یہ لوگ فائز تھے۔ نیز اگر مباہلہ میں عادت شمول جمیع اصحاب و تعمیم مقرر تھی تو وہ فضائل جو

آنحضرتؐ کی طرف مقابل تھے اُنھوں نے اس امر پر اعتراض کیوں نہ کیا اسلئے کہ اگر عادت اسی طرح جاری ہوتی تو وہ لوگ نبی پر اس امر سے احتجاج کرتے لیکن ابن روزبہان کا یہ قول کہ انفسنا سے مراد خود رسول اللہ اور علیؑ ہیں پس مردود ہے اس طرح پر کہ اُس نے قصد کیا ہے حمل کرنے کا لفظ انفس کو بنا بر حقیقت جمع کے بعض علما کے نزدیک اور ابن روزبہان نے یہ نہیں جانا کہ نبی اس طرح کے خطاب میں زیر حکم نہیں داخل ہو سکتے ہیں جیسا کہ علم اصول میں ثابت ہو چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ ابن روزبہان نے یہ جو کہا ہے کہ جو شخص علیؑ کو نبی کا مساوی قرار دیگا وہ دین سے خارج ہے یہ امر اسی کے حق و دین سے خروج کا باعث ہے اور بسبب اُسکی بے پروائی کے ہے معرفت جناب امیر المومنین و سید الوصیین و برادر حضرت سید المرسلین سے اور یہ جو استبعاد اُس نے کیا ہے کہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مساوی ہو حضرت خاتم النبیین و افضل انبیا اولوالعزم سے پس اس میں یہ اعتراض ہے کہ یہ یعنی مساوات ایک کنایہ ہے منتہائے خصوصیت اور قرب و محبت کا اس لئے کہ جب دو شخصوں کے درمیان میں محبت کامل ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ دونوں معنی متحد ہو گئے ہیں اگرچہ صورت میں علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور انتہائی بات جو لازم آتی ہے وہ مساوات ہے درجہ میں نہ کہ امر نبوت میں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ امیر المومنینؑ کو حضرت سے اگر اس حد پر مقارنت و اتحاد حاصل نہ ہوتا تو ہر آئینہ خداوند عالم اُن کو نفس رسول نہ فرماتا اور علیؑ اور اُن کے دونوں صغیر السن فرزند اُن کے بھائی عقیلؑ و جعفرؑ سے اولیٰ نہ قرار پاتے کیونکہ وہ سب بھی قرابت نبی میں متساوی تھے۔ پس اس مقام سے یہ اعتراض مضمحل ہو گیا جو کہ ابن روزبہان نے بیان کیا تھا کہ عادت ارباب مباہلہ کی یہ ہے کہ وہ اپنے اہلبیت و اہل قرابت جمع کیا کرتے ہیں۔ بالجملہ حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ جناب رسالتمآب صلعم عارف جلال الٰہی تھے اور اپنے خالق سے کمال خوف رکھتے تھے لہذا آپ نے اُس مباہلہ میں کہ جسمیں دعا ایک دوسرے کے ہلاکت کی کی جاتی ہے اور رحمت خدا سے دوری طلب کی جاتی

ہے اونھیں جماعت سے استعانت طلب فرمائی کہ جو پروردگار عالم کے نزدیک فضیلت
و منزلت میں بڑا درجہ رکھتے تھے اور اونھیں کو اپنی دعائے مباہلہ میں شریک فرمایا کیونکہ
کثرت افاضل (یعنی صفات حسنہ میں فضیلت رکھنے والے) کی وجہ سے استجابت دعا کی
زیادہ امید کی جاتی ہے جیساکہ سنت رسول سے یہ امر بھی معلوم ہوا ہے اور اُس شخص
کی دعوت کا ترک کر دینا جو فضیلت میں خداوند عالم کے نزدیک اونھیں افاضل سے
مساوی ہو اُس نبی کی طرف سے شدت اہتمام امر دین میں خلل ڈالنا لازم آتا ہے اور
نبی صلعم ان باتوں سے منزہ ہیں کہ خلاف انصاف کوئی امر عمل میں لائیں اور منجملہ اُن دلیلوں
کے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے اہلبیت علیہم السّلام سے مباہلہ میں
استعانت چاہی یہ ہے کہ خداوند عالم اس آیت میں صیغہ جمع کا استعمال فرماتا ہے یعنی نشم
نبتھل۔ اور قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اور اس کے علاوہ اوروں نے دیگر کتب میں
ذکر کیا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب روز مباہلہ دولتسرا سے باہر تشریف لائے
تو امام حسینؑ کو اپنی گود میں لئے ہوئے تھے اور امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑے تھے اور آپ کے پیچھے
حضرت فاطمہؑ زہرا تھیں اور اُن کے بعد علیؑ امیرالمومنین تھے اور وہ جناب اپنے اہل
بیت علیہم السّلام سے فرماتے تھے کہ دیکھو جب دعا کروں گا تو تم سب آمین کہنا اور اسقف
نصاریٰ جس کا نام ابی حارثہ تھا اُس نے بھی جب جناب رسولخدا صلعم کو اس طرح تشریف لاتے
دیکھا اور آنحضرت جب آگے بڑھے اور دو زانو ہو کر زمین پر بیٹھ گئے تو کہا کہ قسم بخدا مباہلہ کے لئے
انبیاء اسی طرح بیٹھتے ہیں اے گروہ نصاریٰ میں یہاں چند چہروں کو دیکھتا ہوں کہ اگر وہ
خداوند عالم سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو ضرور پہاڑ ہٹ جائیں گے پس تم
ان سے مباہلہ نہ کرو اور اس آیت کا دلیل افضلیت امیرالمومنینؑ ہونا اس امر سے بھی ظاہر
ہے کہ ابن حجر نے کتاب صواعق محرقہ میں دارقطنی سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے بروز شوریٰ
اس فضیلت سے احتجاج فرمایا اور ارشاد کیا کہ تمکو میں قسم دیکر سوال کرتا ہوں کہ آیا تم میں مجھ سے

زیادہ رسول اللہ سے قریب تر اور کوئی بھی ہے یا اور کوئی سوائے میرے ایسا ہے جسکو آنحضرت
نے اپنا نفس بنایا ہو اور اُس کی اولاد کو اپنی اولاد قرار دیا ہو اور اُس کی عورتوں کو
اپنی عورتیں فرمایا ہو لوگوں نے جو وہاں حاضر تھے عرض کی کہ قسم بخدا ایسا اور کوئی نہیں
ہے ختم ہوئی حدیث منقول از صواعق ابن حجر۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مراد
نفسیت سے (یعنی آنحضرت کا امیر المومنینؑ کو اپنا نفس قرار دینا) حقیقت اتحاد نہیں ہے
بلکہ مراد مساوات ہے اُن خصائل میں کہ جو ممکن ہیں مثل فضائل و کمالات کے کیونکہ ایسی
مساوات مراد لینا قریب تر ہے معنی مجازی کے معنی حقیقی سے پس حمل کرتے ہیں اوسی
معنی مجازی پر جبکہ معنی حقیقی کا مراد لینا دشوار ہوتا ہے اور یہی قاعدہ اصول کا مقرر ہے
اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ رسول خدا صلعم تمام مردم سے افضل ہیں اور جو افضل
کا مساوی ہوگا وہ خود بھی افضل ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ ہم یہ بھی استدلال کریں کہ مراد مصنف
علیہ الرحمہ کی مساوات سے مساوات صفات نفسیہ میں ہے اور اس وقت ہم یہ کہیں گے
کہ اگر ابن روزبہان نے ارادہ کیا ہے ہمارے نبیؐ کے نبی مرسل خاتم النبوۃ ہونے سے
بعثت اُن جناب کی بروجہ مذکور پس ظاہر ہے کہ نبی کا مبعوث برسالت ہونا صفات
نفسیہ سے نہیں ہے جیسا کہ اس کی تصریح غزالی نے کتاب منخول میں کی ہے اور اس طرح
بیان کیا ہے کہ افعال کے لئے احکام صفات ذاتیہ نہیں ہوتے مگر یہ کہ معنی اُن احکام کے
یہ ہوتے ہیں کہ اُن سے ارتباط ہوتا ہے خطاب شارع کے ساتھ کسی فعل کے امر یا نہی یا زجر کے
بارے میں پس فعل حرام وہ ہے جس کے لئے لا تفعلوہ مستعمل ہوگا اور واجب وہ ہے جس
کے لئے لا تترکوہ کہا جائیگا اور یہ حکم فعل یا ترک فعل کا مثل نبوت کے ہے کہ صفت ذاتیہ نفسیہ
نبی کے لئے نہیں ہے بلکہ نبوت سے مراد مخصوص ہونا ہے ایک شخص معین کا خطاب تبلیغ
سے اور اگر ابن روزبہان نے نبوت سے مراد وہ صفت کاملہ نفسیہ لی ہے کہ جس کی وجہ سے
نبی مبعوث برسالت ہوتا ہے بنا بر وجہ مذکور کے اور وہ مقتضی ہے مساوات درجہ کی ہیں کوئی

امر مانع نہیں ہے کہ امیر المومنین ع کے لئے یہ درجہ اور یہ صفت حاصل نہ ہو منتہاے امر یہ ہوگا کہ جناب رسول خدا کے خاتم الانبیاء ہونے کی خصوصیت مانع ہوئی اس امر سے کہ امیر المومنین ع بر وجہ مخصوص مبعوث ہوں اور اُن جناب پر اس نام کا شرعاً اطلاق کیا جائے جیسا کہ اسی طرح کہا گیا ہے کہ اطلاق اسم جوہر کا بمعنی اُس موجود کے جو کسی موضوع پر نہ ہو ممنوع ہے خالق عالم پر (یعنی خداوند عالم کو جوہر نہیں کہہ سکتے حالانکہ وہ موجود ہے اور کسی موضوع میں نہیں پایا جاتا پس معنی جوہریت اُس میں موجود ہیں لیکن اسکو جوہر نہ کہیں گے بسبب مانع ہونے شرع کے) اور اس درجہ کا امیر المومنین کے لئے حاصل ہونا بعید تر نہیں ہے اُن باتوں سے جن کی بابت ابن روزبہان کے اصحاب نے ابوبکر کی شان میں روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور ابوبکر مثل دو گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں کے ہیں اور عمر کی شان میں یہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یہی عمر بن الخطاب تھے اور یہ روایت کتاب مشکوۃ میں ترمذی سے منقول ہے (مترجم کہتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا موضوع ہونا کتاب مستطاب عبقات الانوار حدیث مدینۃ العلم بن تفصیل مذکور ہے) اور ابن روزبہان نے یہ جو بیان کیا ہے کہ یہ آیت امیر المومنین علیہ السلام کی نص امامت پر دلالت نہیں کرتی ہے پس یہ مردود ہے اس طرح پر کہ جناب مصنف علیہ الرحمہ نے اس باب کے مطالب کو نص خلافت علی السلام میں حصر نہیں فرمایا ہے بلکہ اُن کا مدعا جیسا کہ بحث امامت میں سابقاً اس کی تصریح فرما چکے ہیں) دلیل کا قائم کرنا ہے امامت پر عام اس سے کہ وہ نص امامت پر دلالت کرتی ہو یا شرائط امامت و لوازم امامت پر مثل عصمت و فضیلت و دیگر فضائل کے جمع ہونے پر دلالت کرتی ہو اس بنا پر کہ وہ فضائل ایسے ہوں کہ جن میں دوسرا کوئی شریک نہ ہو۔ اور تحقیق کہ صاحب مواقف نے اسکو سمجھ لیا ہے جہاں کہ اُس نے یہ بیان کیا ہے کہ شیعوں کے لئے بیان افضلیت علی ع میں دو مسلک ہیں مسلک اول وہ فضائل ہیں جو

آنحضرت کے افضل ہونے پر اجمالاً دلالت کرتے ہیں اور وہ چند ہیں پہلی آیہ مباہلہ۔ دوسری حدیث طیر وغیرہ اور مسلک ثانی وہ خصائص آنحضرت کے ہیں کہ جو ان جناب کے افضل ہونے پر تفصیلاً دلالت کرتے ہیں اور منجملہ ان کے ایک یہ امر ہے کہ فضیلت آدمی کی اُس کے غیر پر بسبب کمالات کے تسلیم کی جاتی ہے اور بتحقیق کہ ذات والاصفات جناب امیر المومنین علیہ السلام میں وہ فضائل جمع تھے جو دیگر اصحاب میں متفرق تھے اور وہ بہت سے امور ہیں پہلے اُن میں سے علم ہے چنانچہ جناب امیر المومنینؑ اعلم صحابہ تھے تا بآخر کلام بعد اس بیان کے صاحب مواقف نے مکابرہ کیا ہے اور ان دونوں مسلکوں کے جواب میں یہ کہا ہے کہ فضائل مذکورہ آنحضرت کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں لیکن افضلیت اُن جناب کی ان سے ثابت نہیں ہوتی ہے اور کیونکر افضلیت ثابت ہوگی حالانکہ مرجع افضلیت کا کثرت ثواب اور کرامت و بزرگی ہے خداوند عالم کے نزدیک اور یہ بات اکتساب طاعات اور اخلاص اعمال سے حاصل ہوتی ہے اور نیز اس چیز سے حاصل ہوتی ہے کہ جو نصرت اسلام کی طرف راجع ہو اور ان فضائل سے حاصل ہوتی ہے کہ جو تقویت دین کے متعلق ہیں اور یہ امر کتب تاریخ و سیر سے معلوم ہے کہ جب ابوبکر اسلام لائے تو خدا کی طرف لوگوں کی دعوت کرنے میں مشغول ہوگئے اور انھیں جناب کی کوشش سے عثمان بن عفان و طلحہ بن عبد اللہ اور زبیر و سعد بن وقاص و عثمان بن مظعون ان کے ہاتھ پر اسلام لائے اور ان لوگوں کے سبب سے اسلام قوی ہوا اور ابوبکر ہمیشہ کفار سے اسلام کیلئے جھگڑتے رہے اور اعلاء دین خدا میں آنجناب کی حیات اور بعد وفات اُن حضرت کے برابر مشغول رہے اور جاننا چاہیے کہ مسئلہ افضلیت ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اُس میں جزم یقین حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے لئے مستقلاً کوئی عقلی دلیل قائم نہیں کی جاتی ہے بلکہ مستند اُس کے لئے منقولات ہوتی ہیں اور یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے کوئی عمل متعلق ہو تاکہ اس میں صرف گمان کافی ہو بلکہ یہ مسئلہ افضلیت ایک مسئلہ علمیہ ہے

کہ جس میں یقین مطلوب ہوتا ہے اور اس بارے میں جو نصوص ذکر کئے گئے ہیں وہ چونکہ دوسری روایات سے معارض ہیں اس وجہ سے وہ یقین افضلیت کے لئے مفید نہیں کیونکہ ہر انصاف کہنے والے پر ظاہر ہے کہ وہ کل روایات جو افضلیت کے بارے میں منقول ہیں یا وہ از قسم آحاد ہیں یا ظنی الدلالۃ ہیں باوصف اسکے وہ دیگر روایات سے معارض ہیں اور خصوصیت کثرت ثواب کی موجب زیادتی ثواب نہیں ہے قطعاً بلکہ گمان ہے کیونکہ حصول ثواب ایک تفضل ہے من جانب اللہ جیسا کہ تو نے سابق میں معلوم کیا پس یہ امر خداوند عالم کے اختیار میں ہے کہ اگر چاہے تو مطیع کو ثواب نہ عنایت کرے اور غیر مطیع کو ثواب مرحمت فرمائے رہا ثبوت امامت پس وہ اگرچہ قطعی ہو لیکن اس سے قطعیت افضلیت نہیں ثابت ہوتی ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ گمان افضلیت کا ثابت ہوگا اور کیونکر قطعیت افضلیت کا ثبوت ہو حالانکہ یہ بات بھی قطعی ثابت نہیں کہ فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت صحیح نہو لیکن چونکہ ہم نے سلف کو اسی طرح پایا ہے کہ وہ اسکے قائل ہو گئے ہیں کہ ابوبکر افضل ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علیؑ افضل ہیں اور اسلاف کے ساتھ ہمارا حسن ظن یہ چاہتا ہے کہ اگر وہ اس افضلیت کے عارف نہ ہوتے تو کیوں اسپر اتفاق کرتے لہذا اسی بنا پر ہم ان کے اتباع کو واجب جانتے ہیں اور اس بارے میں جو امر حق ہوگا وہ خدا کے سپرد کرتے ہیں وہی جانتا ہے کہ حق کس کیلئے تھا (مترجم کہتا ہے کہ اس تقریر سے خوب واضح ہو گیا کہ صاحب مواقف کے نزدیک اس وقت تک یہ بات بھی متحقق نہیں ہوئی ہے کہ خلفاء ثلثہ میں افضل کون ہے صرف بنا بر اختیار اسلاف نا انصاف اتباع کرتے چلے آتے ہیں یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اور علامہ آمدی نے بیان کیا ہے کہ کبھی تفضیل سے ارادہ کیا جاتا ہے ایک شخص کی خصوصیت کا دوسرے سے عدول کرکے یا اصل فضیلت کی وجہ سے کہ جو دوسرے میں نہ پائی جاتی ہو جیسے عالم و جاہل کہ ایک میں صفت علم موجود ہے اور دوسرے میں اس کا وجود ہی نہیں ہے یا ایک

دوسرے پر خصوصیت افضلیت بسبب زیادتی صفت کے پائی جاتی ہے جیسے ایک شخص
دوسرے شخص سے اعلم ہو اور یہ بھی غیر قطعی ہے درمیان صحابہ کے اس وجہ سے کہ ایسی
کوئی فضیلت نہیں ہے کہ ایک شخص میں ہو اور دوسرے میں نہ ہو کیونکہ ہر فضیلت میں یہ
کہہ سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کا شریک ہے اور عدم شرکت تسلیم بھی کر لی جائے تو یہ بھی
بیان کیا جانا ممکن ہے کہ دوسرا دوسری فضیلت کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے اور کثرت
فضائل سے ترجیح کا لازم آنا مسلم نہیں ہے کیونکہ اس کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ ایک ہی
فضیلت ترجیح رکھتی ہو بہت سی فضیلتوں پر یا بسبب زیادتی شرف اُسی فضیلت کے اُسکی
ذات میں یا بوجہ زیادت مقدار اُسی فضیلت کے (یعنی شرف میں وہ فضیلت کم ہو لیکن
مقدار میں زیادہ ہو) پس اس حیثیت سے افضلیت کا قطعی ہونا درست نہ ہوگا۔ اور شارح
عقائد نسفی کہتے ہیں کہ ہمنے دونوں جانبوں کے دلائل افضلیت پر جو نظر کی تو اُن کو
آپس میں معارض پایا اور ہم اس مسئلہ کو اعمال سے متعلق نہیں پاتے ہیں اور نہ اس امر
میں توقف کرنے سے واجبات میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے چنانچہ ہمارے اسلاف نے
عثمان کی تفضیل میں توقف کیا ہے اسلئے کہ انھوں نے صرف تفضیل شیخین و محبت ختنین
(یعنی عثمان و علی علیہ السّلام) کو علامات سنت و جماعت سے قرار دیا ہے اور انصاف
یہ ہے کہ اگر ارادہ کیا جائے افضلیت سے کثرت ثواب کا تو اس میں توقف کرنے کا سبب
ہے اور اگر اُس سے کثرت اُن خصائل کی مراد ہو جن کو صاحبان عقل نے فضائل میں
شمار کیا ہے تو کوئی وجہ توقف کی نہ ہوگی (یعنی کثرت ثواب تو معلوم نہیں ہو سکتا کہ
خلفا میں کس کے لئے تھی لیکن فضائل میں زیادتی علی علیہ السّلام کی قابل توقف
نہیں ہے) **جناب علامہ قاضی سید نور اللہ شوشتری علیہ الرحمہ**
فرماتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ ان تمام اقوال میں نظر اعتراض ہے لیکن صاحب مواقف
نے جو ذکر کیا ہے وہ اسلئے قابل اعتراض ہے کہ ہر شخص پر کہ جسکو ادنی عقل ہو ظاہر ہے

کہ وہ کرامت اور کثرت ثواب جو تعظیماً بعوض عبادت کے حاصل ہوتا ہے نہیں ہے علاوہ اُن فضائل وکمالات کے کہ جو بلاشک اُن میں زیادہ تر ذات امیر المومنین علیہ السلام میں متحقق تھے اور بعض اُن میں سے آنحضرت کے ساتھ مخصوص تھے پس اس قول کے کوئی معنی نہونگے کہ حضرت کا غیر عزت وکرامت وثواب میں اُن سے زیادہ ہو یا اُن جناب کا مساوی ہو اور لیکن یہ بیان کہ ابو بکر بعد اسلام لانے کے دعوت اسلام میں مشغول ہو گئے اور اُن کے ہاتھ پر عثمان وطلحہ وزبیر وغیرہ اسلام لائے پس اس میں اعتراض یہ ہے کہ قبل ہجرت رسول صلعم جو لوگ اسلام لائے وہ چالیس سے زیادہ نہ تھے اور اُن میں اکثر لوگ خود آنحضرت کی دعوت سے مشرف باسلام ہوئے اور اگر ان پانچ آدمیوں کا ابو بکر کے ہاتھ پر اسلام لانا تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ امر کہاں لازم آتا ہے کہ وہ برابر دعوت اسلام میں مشغول رہے بلکہ یہ اُس وقت میں کہا جاتا ہے جبکہ ایک شخص کی دعوت سے جماعت کثیرہ اسلام لائے نہ یہ کہ پانچ یا چھ آدمی اسلام لائیں تو اُس کے لئے کہیں کہ وہ دعوت اسلام میں برابر مشغول رہا اور یہ بات ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی تصریح کرے تو اُس پر لوگ استہزا کریں گے اور اگر بالفرض ہم اس کو بھی تسلیم کر لیں کہ ابو بکر برابر دعوت اسلام میں مشغول رہے تو امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھ پر ملک عرب وعجم کے ہزارہا آدمی اسلام لائے اور منجملہ اُن اہل اسلام کے اہل یمن کے تمامی قبائل ہمدان ہیں کہ جو آنحضرت کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے یہاں تک حدیث میں منقول ہے کہ جبکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل ہمدان کے اسلام لانے کی خبر سماعت فرمائی تو اسقدر مسرور وشادمان ہوئے کہ خداوند عالم کا سجدہ شکر بجا لائے اور مکرر ارشاد فرمایا السلام علی ہمدان اور صاحب مواقف نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ ابو بکر منازعت کفار میں مشغول رہے پس یہ محض ایک عبارت ہے کیونکہ منازعت کا اطلاق اُس وقت کیا جاتا ہے کہ طرفین میں سے کسی امر میں مقاومت کی جائے اور ابو بکر کی قبل ہجرت

حالت تھی کہ وہ رسّی[1] سے باندھ دیے جاتے تھے اور اُن پر مار پڑتی تھی جیسا کہ اس کی نقل آگے آئیگی اور بعد ہجرت ابوبکر نے اِس مصیبت سے نجات پائی لیکن کسی غزوہ میں اُنھوں نے کسی کافر سے مقابلہ نہیں کیا بلکہ جہاد سے بھاگنا اُن کا طریقہ رہا پس ایسی حالت میں صاحب مواقف کا ابوبکر کو اس فضیلت سے مخصوص کرنا کہ وہ ہمیشہ اعدائے دین و کفار کی منازعت میں مشغول رہے کیونکر صحیح ہوگا اور اُس نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ افضلیت بمعنی کثرت ثواب قطعی طور سے ثابت نہیں ہو سکتی ہے پس اس کو ہم نہیں تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اور اگر یہ امر تسلیم بھی کیا جائے تو اس بحث و مقصود میں مفید نہیں کیونکہ کوئی ذی عقل اس بات کو صحیح نہ مانے گا کہ جس شخص میں ایسے صفات کاملہ موجود ہوں وہ تو امامت کے لئے اولی نہو اور اُس کا غیر محض اس وجہ سے اولی قرار دیا جائے کہ اُس میں احتمال افضلیت کا پایا جائے اور یہ امر ظاہر ہے کہ عقلاء ابتک اسی کے قائل ہیں کہ یہی شخص (جس میں فضائل و کمالات حقیقتاً موجود ہوں) افضل واحق و اولی امامت کے لئے ہوگا نہ یہ کہ جس میں یہ صفات نہ پائے جائیں اُسکے لئے امامت ثابت کی جائے اور یہ بات بدیہی ہے دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ اسکے کوئی معنی نہونگے مثلاً اگر کہا جائے کہ جس کا علم معلوم نہو اُس سے تعلیم کا حاصل کرنا بہتر ہوگا بہ نسبت اُس شخص کے کہ جس کا عالم ہونا سب کو معلوم ہو اور یہ عقل کے نزدیک ظاہر ہے اور اگر نقل کو دیکھا جائے تو قرآن و حدیث میں بھی یہ وارد ہوا ہے جیسا کہ اس قول باری تعالی سے ظاہر ہوتا ہے۔ افمن یھدی الی الحق احق ان یتّبع امن لا یھدی الا ان

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ ابوبکر کا قبل ہجرت رسّی سے باندھا جانا اسقدر مشہور ہے کہ کتب لغت تک میں مذکور ہے چنانچہ صاحب صحاح لغت قرن میں لکھتے ہیں والقرینان ابوبکر و طلحۃ لان عثمان بن عبد اللہ اخا طلحۃ اخذھما فقرنھما بحبل فلذلک سمیا القرینان اور مراد قرینین سے ابوبکر و طلحہ ہیں کیونکہ عثمان بن عبد اللہ جو طلحہ کا بھائی تھا اُس نے ان دونوں کو ایک رسّی میں باندھا تھا۔

یھدی فما لکم کیف تحکمون۔ یعنی آیا وہ شخص کہ جو صاحب علم و ہدایت ہو
حق کے ساتھ زیادہ مستحق ہے کہ خلائق اسکی ہدایت سے مستفید ہوا اور اس کے انوار علم و
ہدایت سے روشنی حاصل کرے یا وہ شخص کہ جس کو نہ تو علم حاصل ہو نہ ہدایت بلکہ
وہ خود دوسروں سے علم و ہدایت حاصل کرتا ہو پس اے اہل عقل کیونکر تم ایسی بات کا
حکم کرو گے (یعنی یہ بات تو سب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہی پہلا شخص جو خود صاحب علم
وہدایت ہے اولیٰ و احق ہے اس بات کا کہ تمام خلق اسی سے ہدایت حاصل کرے اور
اسی کی پیروی کرے) اور اس کے خلاف کرنا بجز اس کے کہ مکابرہ و عناد ہو اور کچھ
نہیں ہوسکتا اور یہ امر صاحبان عقل و تمیز پر خوب واضح ہے۔ اور صاحب مواقف نے
یہ جو ذکر کیا ہے کہ یہ مسئلہ اُن مسائل میں سے نہیں ہے کہ جو عمل سے متعلق ہو پس اسمیں
یہ اعتراض ہے کہ وہ اس مسئلہ کا عمل سے متعلق ہونے کی بابت کیونکر منکر ہوسکتا ہے حالانکہ
یہ مسئلہ موجب ہوسکتا ہے امامت کا تفضیل مفضول میں اور مفضول کو فاضل پر مقدم
کرنے میں اور نفس الامر میں جو مقدم ہو اُس کو موخر کرنے میں اور یہ امر یعنی تفضیل مفضول
اگر کفر نہ ہوگا تو کم از کم فسق ضرور ہوگا کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے من کان فی ھٰذہٖ اعمیٰ
فھو فی الاخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا اور عمیٰ و نابینائی کی تفسیر حق کے نہ دیکھنے سے
کیگئی ہے اور کیونکر وہ حکم کرتا ہے کہ یہ مسئلہ اُن مسائل سے نہیں ہے کہ جو اعمال سے متعلق
ہیں باوصف اس امر کے کہ اکثر مخالفتیں درمیان اہل تشیع و جمہور اہلسنت کے اس حد
پر پہونچ گئی ہیں کہ ایک دوسرے پر لعن کرتا ہے اور یہ جملہ امور اسی مسئلہ کی وجہ سے
واقع ہوئے ہیں پس اس وقت میں اس مسئلہ کی تحقیق واجب ہوگی اور اس معاملہ
میں یقین کا حاصل کرنا ضروری ہوگا تاکہ معلوم ہو کہ کس شخص کی اطاعت واجب ہے
اور کس کی واجب نہیں ہے اور موجب ناراضی خداوند عالم نہ قرار پائے۔ اور صاحب
مواقف کا یہ بیان کہ نصوص افضلیت آپسمیں متعارض ہیں پس یہ مسلم نہیں کیونکہ تم سابقا

ذکر کر چکے ہیں کہ جو نصوص امیرالمومنینؑ کی شان میں وارد ہوئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ اُن پر فریقین کا اتفاق ہے بخلاف اُن روایات کے جو خلفا ثلٰثہ کے بارے میں منقول ہیں اُن پر فریقین متفق نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ جو اُن کے مطاعن مروی ہیں وہ اُن فضائل سے کہ جو روایت کئے جاتے ہیں متعارض ہیں! اور اس امر کو تم خوب سمجھو۔ لیکن یہ جو اُس نے ذکر کیا ہے کہ کثرت ثواب کی خصوصیت موجب زیادتی ثواب نہیں ہے قطعاً بلکہ زیادتی ثواب کا گمان ہے کیونکہ ثواب ایک تفضل ہے خدا کا پس اُس کو اس امر کا اختیار ہے کہ بندہ مطیع کو ثواب نہ عنایت کرے اور غیر مطیع کو ثواب دیدے پس یہ امر مردود ہے اُس بیان سے جس کو ہم سابق میں ذکر کر آئے ہیں اس قاعدہ سے کہ حسن و قبح دونوں عقلی ہیں اور یہ جو اُس نے ذکر کیا ہے کہ ثبوت امامت اگرچہ قطعی ہے لیکن اس سے افضلیت کا قطع نہیں ہو سکتا تو یہ اس لئے مردود ہے کہ جب امامت مفضول کی فاضل کے ہوتے ہوئے صحیح نہ ہوگی جیسا کہ مقتضائے عقل سلیم ہے تو صحت خلافت افضلیت پر مبنی ہوگی اور اگر افضلیت قطعی نہ ہوتی تو خلافت بھی قطعی نہ ہوگی اور یہ قول اُس کا کہ یہ بھی قطعی نہیں ہے کہ فاضل کے موجود ہوتے ہوئے مفضول کی امامت صحیح نہ ہو بس یہ ایک مکابرہ ہے جیسا کہ عقل سلیم حکم کرتی ہے قطعاً اور منشا اس قول کا اچھا سمجھنا ہے اس فعل کو کہ جس کو سلف امامت کے بارے میں کرتے آئے ہیں اگرچہ یہ فعل مقتضائے عقل کے خلاف ہے لہذا یہ قول قابل التفات نہیں ہے اور یہ جو اُس نے ذکر کیا ہے کہ ہمنے اپنے سلف کو اسی طرح پایا کہ وہ خلفا ثلٰثہ کو افضل جانتے تھے پس یہ بیان بھی اُس کا مردود ہے اس طرح پر کہ یہ اسلاف اُنھیں لوگوں میں سے تھے کہ جن پر نہ تو خدا رحم کرے گا اور نہ اُن کے اعمال کو پاکیزہ قرار دے گا بلکہ اُن کے لئے عذاب الیم مقدر فرمائیگا کیونکہ اُنھوں نے اُسی بری عادت کی تقلید کی جس کو خداوند عالم اپنی کتاب میں اس طرح رد فرماتا ہے۔ درانحالیکہ اس میں کفار کے لئے ایک عتاب ہے اور اُن کے قول کی حکایت میں یہ ارشاد فرماتا ہے انّا

وجدنا اٰباءنا علی امّۃ وانا علی اٰثارھم مقتدون. یعنی ہم نے اپنے آبا و اجداد کو اسی طریقہ پر پایا اور ہم اپنے اُن اسلاف کی پیروی کئے جائیں گے اور ان لوگوں کا اپنے اسلاف سے حُسن ظن کرنا صرف اسی وجہ سے ہے کہ ان میں فہم و دانائی کی کمی ہے اور یہ پیروی کرنا اور اپنے آبا سے حُسن ظن رکھنا اسی قبیل سے ہے کہ جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ انّ بعض الظن اثمٌ لیکن اپنے اسلاف سے یہ حُسن ظن اُن کی وجوب متابعت کا مقتضی نہیں ہے جیسا کہ یہ ظاہر ہے بہرحال ان لوگوں نے افضلیت کی بنا ترتیب وجودی صوری پر رکھی ہے اور اس امر سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر یہ لوگ قبل جناب امیر المومنین علیہ السّلام کے پچاس خلیفہ بھی بنا لے تو ہر آئینہ اُن سب کو آنحضرت پر فضیلت دیتے اور ترتیب وجودی وصوری کیونکر موجب افضلیت ہو سکتی ہے باوصفیکہ خلفا فضائل وکمالات سے خالی ہیں اور اُن کی نسبت امیر المومنینؑ سے وہی ہے جو نسبت صفر کو عدد سے ہے مگر اُن کا تقدم صوری و وجودی امیر المومنین علیہ السّلام پر موجب زیادتی مرتبہ و مقام آنحضرت ہے (بسبب کثرت فضائل و شرائف خصائل) جیسا کہ شاعر نے کیا خوب نظم کیا ہے۔ شعر

از رتبہ صوری خلافت مقصود جز عرض کمال اسد اللہ نبود :

گرگشت رقم سہ صفر پیش از الفے پیداست کہ در رتبہ کدامے افزود

اور گویا کہ قوم نے باوصف اس امر کے کہ علم منطق سے جاہل ہے امیر المومنین علیہ السّلام کو علم منطق کی شکل رابع سے تشبیہ دی ہے جبکہ ساقط کیا اُن میں سے بعض نے آنحضرت کے درجہ خلافت کو بسبب اس کے کہ آپ نے خلیفہ اول کی مخالفت کی اور جمہور مسلمین نے اول کے بعد ثانی کا اس وجہ سے اتباع کیا کہ ثانی نے اول سے موافقت کی تھی بہترین مقتدین میں نزدیک اُن کے اور وہی مقدمہ غصب خلافت اہلبیت علیہم السّلام کا تھا اور اسی وجہ سے ان دونوں کا نام عمرین ہوا پھر ثالث پر جمہور نے اس وجہ سے اعتبار کر لیا کہ داماد

دوسری بات کی موافقت پر راضی ہوگیا اور وہ یہ تھی کہ اولین کے احکام کی ترویج اور انہیں کی سیرت کا اتباع کرتا رہیگا اور امیرالمومنین علیہ السلام کا جو تھے درجہ پر اعتبار کیا کیونکہ آپ اول وثانی سے درحقیقت مخالف تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب مجلس شوریٰ میں امیرالمومنین سے عبدالرحمن بن عوف نے عرض کی کہ اگر آپ سیرت شیخین کا اتباع کریں تو ہاتھ بڑھا دیجئے میں آپ سے بیعت کرتا ہوں اس وقت حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ کبھی نہ ہوگا میں بمقتضائے کتاب خدا وسنت رسول احکام جاری کروں گا پس عبدالرحمن نے اس کو قبول نہ کیا اور آنحضرت کو ترک کرکے عثمان سے بشرط مذکور بیعت کرلی اور اس نے اس شرط کو قبول کرلیا اور آمدی نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ کوئی فضیلت ایسی نہیں ہوسکتی ہے کہ جو کسی ایک شخص کے ساتھ مخصوص ہو مگر یہ کہ دوسرے کی بھی شرکت اس میں بیان کی جاسکتی ہے پس اس کلام میں نظر اعتراض ظاہر ہے کیونکہ جب یہ امر فرض کرلیا جائے کہ ایک فضیلت مخصوص ہے شخص واحد معین کے ساتھ منجملہ اور اشخاص کے اس وقت یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ پھر کسی غیر کی مشارکت کا بیان کیا جائے سوائے اس امر کے کہ اس اشتراک سے اصل نوع فضائل میں شرکت کا ارادہ کیا جائے لیکن اس قسم کی شرکت کا دعویٰ کرنا ایسا ہے کہ ایک طفل جو تصریف زنجانی پڑھتا ہو اپنے معلم کا جو علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل متبحر ہو علم میں شریک سمجھا جائے یا یہ دعویٰ کیا جائے کہ ایک شخص جس نے باب خیبر کو اکھاڑا اور عمرو بن عبدود کو قتل کیا یا اس کے مثل دیگر کارہائے نمایاں کئے اس کا شریک فضیلت شجاعت میں وہ شخص ہے کہ جس نے صرف اپنے گھر کا دروازہ اکھاڑا یا ایک سوسمار کو مارا ہو یا کسی چوہے کو مار ڈالا ہو اور اس طرح کی مشارکت دعویٰ نہایت ہی امر شنیع اور مہمل قرار پائیگا۔ اور یہ جو صاحب مواقف نے ذکر کیا ہے کہ کثرت فضائل سے ترجیح نہیں لازم آتی ہے کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ کسی شخص میں ایک ہی ایسی فضیلت پائی جائے جو راجح تر ہو دیگر فضائل کثیرہ سے پس یہ مردود ہے اس بیان سے جو سابقاً ذکر کیا گیا کہ ہم کو صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ امامت کے لئے ایسے شخص کو

تلاش کریں جس میں جملہ شرائط امامت و ریاست بحیثیت فضائل و کمالات ظاہرہ پائے جائیں اور مرد عاقل اس احتمال کی طرف کبھی توجہ نہ کریگا کہ شاید اور کوئی اس شخص کے علاوہ ایسا شخص ہو کہ جس میں ان فضائل میں سے کوئی فضیلت موجود نہ ہو مگر وہ خدا کے نزدیک اس شخص جامع فضائل سے افضل ہو اور اگر ایسا ہی خیال فاسد معتبر ہوا کرے تو لوگوں کو اپنا رئیس یا امام بنانے میں سخت مشکل ہو جائے کیونکہ اس امر کا احتمال بھی ممکن ہے کہ ہر حائک و حجام اور بازاری یا مجہول شخص جو پہاڑ میں رہتا ہو یا خشکی و تری کہیں بھی ہو اشراف قوم سے جو مشہور بفضل ہیں اُن سے افضل قرار پائے اور جب یہ حالت ہوگی تو امام متصف بہ شرائط مذکورہ کی تعیین کا سدباب ہو جائیگا۔

اور لازم ہے کہ اولیاء آمدی جو مثل اپنے اُستاد کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر فرار کر جاتے ہیں اور ادھر سے اُدھر تاویلیں کرتے پھرتے ہیں اس امر کو بیان کریں کہ جن لوگوں نے ابوبکر کی امامت کو اختیار کیا ہے آیا یہ اختیار و انتخاب اُنہیں فضائل کے سبب سے واقع ہوا ہے جن کی طرف یہ لوگ اپنے خلیفہ کو منسوب کرتے ہیں اور خلیفہ کی شان میں بکثرت احادیث موضوع کئے ہیں یا یہ انتخاب امامت خلیفہ کے اُن فضائل باطنیہ کے سبب سے ہوا ہے جو کسی پر ظاہر نہیں ہوئے یا ابوبکر کو امامت و خلافت کے لئے منتخب کرنا ایک اتفاقی امر تھا کہ جو محض اپنی خواہش سے اختیار کیا گیا اور اس کا کچھ پاس و لحاظ نہ ہو کہ آیا وہ متصف بہ فضائل ظاہریہ و باطنیہ تھے یا نہیں بلکہ اُن لوگوں کی نظروں میں ابوبکر کا غلام بھی مثل اُن کے استحقاق خلافت کے لئے مستحق تھا پس اب غور کرو کہ اگر تیسری صورت صحیح مانی جائے (یعنی انتخاب ابوبکر محض اتفاق خواہش نفس سے ہوگیا) تو یہ شان خلیفہ صاحب کے لئے نہایت ہی تحقیر کی بات ہوگی اگرچہ درحقیقت ایسا ہی ہوا۔ اور اگر دوسری صورت تسلیم کرلی جائے (یعنی اُن کو اُن فضائل باطنیہ کی وجہ سے جو کسی پر ظاہر نہ ہوئے اُن کو خلیفہ بنا دیا) تو یہ محال ہے کیونکہ جو شخص متصف بہ فضائل ظاہرہ نہ ہو اُس کو فرضی اور باطنی فضیلتوں کے وہم و گمان

پر اس عہدہ جلیلہ کے لئے منتخب کرلینا بالکل خلاف عقل ہے اور جب یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں تو امر اول ہی متعین ہوا یعنی سنیوں کو لازم ہے کہ کہیں کہ لوگوں نے ابوبکر کو ان کی ظاہری فضیلت کی وجہ سے منتخب کیا اور شرائط امامت وریاست کے لئے عاقل کے نزدیک یہی بات مناسب ہے کہ جس میں کثرت سے فضائل پائے جاہیں وہ امام ہوگا اور کثرت فضائل بجز امیرالمومنین علیہ السّلام کے اور کسی میں متحقق نہیں ہے جیساکہ سابقاً مذکور ہوا اور بعون اللہ آیندہ اور بیان کیا جائے گا۔ اور جو کچھ شارح عقائد نسفی نے ذکر کیا ہے پس اُس کے اکثر مقدمات مشترک ہیں اُن دلائل سے جن کو ہم نے صاحب مواقف سے نقل کرکے باطل کیا ہے مگر شارح عقائد نسفی کا یہ محاکمہ جس پر وہ اپنے اس قول سے دلیل لایا ہے کہ انصاف یہ ہے کہ اگر افضلیت سے کثرت ثواب کا ارادہ کیا جائے تو اس میں توقف کی وجہ ہے پس اُس کی یہ دلیل اس طرح مردود ہے کہ اگر وہ ثواب جس کی تحصیل کی سبب سے وہ لوگ افضل قرار پائے اُس طاعت کے مقابلہ میں حاصل ہوا ہے جیساکہ کتاب وسنت سے ظاہر ہوتا ہے اور اُس کو ہم نے سابقاً بیان بھی کیا ہے پس بلاشک جس شخص کی اطاعت زیادہ ہوگی اُسی کے لئے ثواب زیادہ ہوگا اب اگر اصحاب کے حالات پر نظر کرو تو یہ امر بالکل واضح ہوگا کہ امیرالمومنین علیہ السّلام کی اطاعت بمراتب دیگر اصحاب سے زیادہ ہے کیونکہ اُن جناب نے اپنی مدت العمر خدا کی اطاعت فرمائی اور کبھی عصیان نہیں کیا اور آپ کے علاوہ دیگر اصحاب نے ایک کثیر حصہ اپنی عمر کا کفر وعصیان خدا میں صرف کرنے کے بعد اطاعت الٰہی کو اختیار کیا ہے جیساکہ ابوسعید نیلی نے اس کو نظم کیا ہے **شعر**

عبد الالہ وغیرہ من جھلہ ما زال منعکفا علی اصنامہ

امیرالمومنین علیہ السّلام نے خدا کی عبادت کی اُس حال میں کہ غیر اُن جناب کا اپنی جہل سے بت پرستی پر مقیم تھا اور وہ جناب ہمیشہ اپنے خالق ہی کی عبادت میں مشغول رہے

اور سوائے اُن حضرت کے تمام اصحاب بسبب اپنی جہالت کے اصنام پرستی کرتے تھے اور اگر کثرت ثواب مقابل اطاعت کے نہیں ہے تو وہ نہ ثواب ہے اور نہ وہ کسی تعظیم و تفضیل پر دلالت کرے گا کیونکہ کثرت ثواب کا طاعت کے مقابل ہونا بھی امر ثواب و تفضل میں فارق ہے پس ایسی حالت میں شارح عقائد نسفی کے لئے کوئی وجہ توقف نہ ہوگی۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

ساتویں آیت فتلقی آدم الآیہ جس کے متعلق جمہور نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلعم سے سوال کیا گیا کہ وہ کون سے کلمات ہیں جن کی وجہ سے توبہ آدمؑ قبول ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ آدمؑ نے درگاہ باری میں عرض کیا تھا کہ خمسہ نجبا کے حق کا واسطہ تو میری توبہ کو قبول فرما جب خداوند عالم نے انکی توبہ کو قبول کیا۔

قول ابن روزبہان

وہ کہتا ہے کہ مفسرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کلمات کیا تھے چنانچہ بعض کہتے ہیں وہ کلمات تہلیل و تسبیح و تحمید کے تھے بعض کہتے ہیں کہ مناسک حج تھے جس کی وجہ سے توبہ قبول ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ خصال عشرہ تھے جن کو خصال فطرۃ بھی کہتے ہیں حضرت آدمؑ کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ توبہ قبول ہو اور اگر بفرض مصنف نے جس روایت کو جمہور کی طرف نسبت دی ہے وہ صحیح بھی ہو (در آں حالیکہ ہم کو اس جمہور کا پتہ نہیں ملتا) تو علیؑ کی فضیلت کاملہ پر دلالت ہوگی اور ہم خود اسکے قائل ہیں اور جانتے ہیں کہ اصحاب کسا کے ساتھ توسل کرنا بزرگ ترین وسائل و قریب ترین ذرائع سے ہے خدا کی طرف لیکن ان سے نص امامت پر کوئی دلیل قائم نہیں

ہوتی پس معلوم ہوا کہ یہ مرد اپنے مدعا سے علیحدہ ہو کر فضائل علیؑ پر نص قرآن سے استدلال کرتا ہے درانحالیکہ یہ سب فضائل مسلم ہیں۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ یہ امر بیان ہو چکا ہے کہ بعض مفسرین اہلسنت کا مفسرین شیعہ کے ساتھ کسی امر میں اتفاق کر لینا قیام حجت کیلئے کافی ہے چنانچہ اس امر کی شہرت پر بھروسہ کرتے ہوئے بخیال اختصار مصنف رہ بسا اوقات صرف روی انجھور۔ کہکر چھوڑ دیتے ہیں اور راوی کا نام نہیں ذکر فرماتے ہیں۔ اور یہ کہ کلمات سے مراد مناسک حج ہیں یا خصال عشرہ ہیں باوجود اسکے کہ ان چیزوں پر کلمات کا صدق ہو سکتا ہے یا نہیں مشہور تفسیروں میں سے کسی میں بھی مذکور نہیں شاید ناصبی نے تحریف کی ہو یا بھول گیا ہو اسلئے کہ مفسرین نے (جنمیں صاحب کشاف بھی ہیں) ان دونوں قولوں کو واذا ابتلی ابراھیم کلاٰیۃ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور ناصبی کو دھوکا یوں ہوا کہ دونوں آیتوں میں کلمات کا ذکر ہے چونکہ اس کو امور دینی کی کوئی پرواہ نہیں ہے لہذا یہ دھوکا ہو گیا۔ لیکن ناصبی کا یہ کہنا کہ مصنف اپنے مدعا سے خارج ہو گئے تو اس کو ہم پہلے اعمیت مدعیٰ کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں کہ خود ناصبی راہ راست سے خارج ہو گیا ہے با عنوان مبحث کو منتہائے حیرت سے بھول گیا ہے بلکہ خداوند عالم کا کثرت سے امیر المومنینؑ کا قرآن میں ذکر کرنا اور آنحضرت کے حالات سے تمثیل فرمانا اور اُن لوگوں کے ذکر کو ترک کرنا جن کو ناصبی آنحضرت کا قرین سمجھتا ہے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت محبوب و منظور نظر رحمت الٰہی ہیں بمصداق ضرب اللہ لنا مثلاً ونسی خلقہ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت کے لئے ایسی ایک بھی فضیلت کا ذکر جو اُن کے غیر میں نہ پائی جاتی ہو اس پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت اس فضیلت میں اپنے غیر سے افضل ہیں اور دوسرا مفضول یہ مقام غور و فکر ہے (مترجم کہتا ہے کہ تفسیر آیہ فتلقی آدم من ربہ کلمات کی اسمار خمسہ نجبار کے ساتھ صاحب معارج النبوۃ نے کہ مشاہیر

علمائے اہلسنت سے ہیں نقل کی ہے پس غفلت ابن روزبہان کی موجب کمال تعجب ہے واللہ الہادی)

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

آٹھویں آیت اِنّی جاعلك للنّاس اماماً الآیہ ہے اس آیت کے بارے میں جمہور نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا کہ یہ دعا میرے اور علیؑ تک منتہی ہوئی کہ ہم میں سے کسی نے کبھی کسی صنم کو سجدہ نہیں کیا پس مجھکو خدا نے نبی قرار دیا اور علیؑ کو وصی۔

آٹھویں دلیل

قول ابن روزبہان

وہ کہتا ہے کہ یہ روایت کتب اہلسنت میں نہیں ہے اور نہ مفسرین میں سے کسی نے اسکو ذکر کیا ہے اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس امر کی دلالت کرے گی کہ علیؑ رسول اللہ ص کے وصی ہیں اور وصایت سے مراد علم و حکمت کا وارث ہونا ہے جو کہ امامت پر نص نہیں ہو سکتی جیسا کہ مصنف کا دعویٰ ہے۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

اس روایت کو ابن مغازلی شافعی نے اپنے اسناد سے عبداللہ بن مسعود سے کتاب المناقب میں ذکر کیا ہے پس اس کے انکار میں اصرار سوا عناد کے اور کیا ہو سکتا ہے دعا مذکور سے مراد وہ دعا ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کے لئے طلب امامت کے بارے میں خداوند عالم سے کی تھی لہذا یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ وصایت سے مراد امامت ہے و نیز یہ کہ صنم کو سجدہ کرنا اور ایک مدت تک کافر رہنا منافی امامت ہے

جیسا کہ پہلے واضح ہو چکا ہے۔ پس اس روایت سے خلفاء ثلثہ کی نفی ہوتی ہے اور اس امر پر نص ہوتی ہے کہ وصایت سے مراد امامت ہی ہے نہ کہ میراث علم و حکمت۔ اس مقام پر اگر یہ کہا جائے کہ اگر اس روایت کو صحیح مان لیں اور وصایت سے امامت بھی مراد لی جائے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ خلفاء ثلثہ کی امامت معدوم ہو جائے اسلئے کہ جس طرح رسالتمآبؐ پر اس دعا کا منتہی ہونے سے یہ لازم نہیں ہوا کہ کوئی نبی آنحضرتؐ سے پہلے نہو اسی طرح امیرالمومنین سے پہلے بھی کسی کا امام نہونا لازم نہیں آتا بلکہ جو کچھ لازم قرار پاتا ہے وہ صرف اتنا کہ اُس امام نے کہ جس پر دعا منتہی ہوئی ہے کبھی صنم کو سجدہ نہ کیا ہو نہ یہ کہ اُس سے پہلے جو ائمہ ہوں اُنھوں نے بھی صنم کو سجدہ نہ کیا ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ انتہاء دعا کا ذکر بصیغہ ماضی (یعنی انتہت) ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ رسالتمآبؐ کے فرمانے سے پہلے دعا منتہی ہو چکی تھی اور کسی اور کا علیؑ سے پہلے امام ہونا اسکے منافی ہے ہاں اگر یہ فرمایا ہوتا کہ سینتہی (یعنی آیندہ منتہی ہوگی) تو ہو سکتا تھا کہ ایسا خیال کیا جائے اور چونکہ ایسا نہیں ہے لہذا یہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا پس نبیؐ و علیؑ پر انتہاء دعا کا فرق ظاہر ہے۔ علاوہ بریں اس روایت کی عدم صحت ہمارے لئے مضر نہیں اسلئے کہ ہماری غرض یہ ہے کہ ہم سنیوں کو اس کا ملزم کر دیں کہ ابوبکر و عمر و عثمان امام نہ تھے۔ اور اسی کے قریب قریب وہ روایت بھی ہے کہ جسکو نسفی حنفی نے تفسیر مدارک میں آیہ نجویٰ کی تفسیر میں امیرالمومنینؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے رسالتمآبؐ سے متعدد سوال کئے یہاں تک میں نے دریافت کیا کہ حق کیا چیز ہے تو رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ اسلام و قرآن اور ولایت جب کہ تم تک پہونچے۔ اور شرط کا مفہوم اہل علم اصول کے نزدیک حجت ہے لہذا یہ ثابت ہوگا کہ امامت و ولایت قبل اس کے کہ امیرالمومنینؑ تک پہونچے باطل ہے پس اُن لوگوں کی خلافت جو حضرت سے پہلے خلیفہ بن بیٹھے باطل تھی۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

نویں آیت ان الذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت الآیۃ ہے جمہور نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیر المومنین کی شان میں نازل ہوئی ہے اور کہا کہ لفظ ودّ سے مراد قلوب مومنین میں محبت ہے۔

قول ابن روزبہان

وہ کہتا ہے کہ یہ روایت اہل سنت کی تفاسیر میں نہیں ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو علیؑ کی محبت پر دلالت کرتی ہے جو باتفاق علماء واجب ہے لیکن اس سے امامت پر نص نہیں ثابت ہوتی۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

یہ روایت تفاسیر اہل سنت میں سے تفسیر رازی و تفسیر نیشاپوری میں مذکور ہے اور ابن حجر کی کتاب صواعق محرقہ میں بھی ہے بلکہ اس میں اور زیادہ اس ناصبی شقی منکر فضائل علیؑ کی رغم الف ہے اس لئے کہ ابن حجر لکھتا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے کہ عباس نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ سے شکایت کی کہ قریش ہمکو دیکھکر بہت ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور جو آپس میں باتیں کرتے ہوتے ہیں تو چپ ہو جاتے ہیں یہ سنکر آنحضرت صلعم کو اتنا غیظ آیا کہ چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ قسم اُس کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری حیات ہے کہ کسی شخص کے قلب میں اُس وقت تک ایمان نہیں داخل ہو سکتا جب تک کہ وہ تم لوگوں کو خدا اور اُس کے رسول کے لئے چاہتا نہ ہو اور دوسری روایت صحیحہ میں ہے کہ کیا ہوگیا ہے اُن کو اِمیرے اہلبیت میں سے کسی کو

دیکھو اپنی باتوں کو قطع کردیتے ہیں قسم بخدا کسی شخص کے قلب میں ایمان اس وقت تک جاگزین نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ میرے اہلبیت کو محض اللہ اور میری قرابت کی وجہ سے نہ چاہتا ہو ختم ہوا قول ابن روزبہان جواب ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ اس روایت سے امامت امیر المومنینؑ پر نص نہیں ثابت ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کی محبت کو خدا قلوب مومنین میں جگہ دے اور اس امر کا بیان مقام احسان میں کرے اس کا معصوم ہونا ضروری ولابدی ہے اور جب عصمت ثابت ہوگئی تو امامت ثابت۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

دسویں آیت اثبات امامت میں انما انت منذر و لکل قوم ھاد ہے جمہور نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا کہ میں منذر (ڈرانیوالا) ہوں اور علیؑ ہادی (ہدایت کرنے والے) ہیں اور اے علیؑ تم سے ہدایت حاصل کرنے والے ہدایت پائیں گے۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت جو مصنف نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کی ہے وہ کتب تفاسیر اہل سنت میں نہیں ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تو امامت پر نص ہونے پر دلالت نہیں ہے زیادہ سے زیادہ علی کا ہادی ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح اور اصحاب کا ہادی ہونا ثابت ہے اسلئے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا ہے کہ اصحابی کالنجوم الخ یعنی میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اہل سنت کے امام فخر الدین رازی نے تفصیل کے ساتھ ذکر کی ہے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اس آیت میں چند اقوال ہیں پہلے اور دوسرے کے بعد ذکر کرتا ہے کہ تیسرا قول یہ ہے کہ منذر جناب رسالتمآبؐ ہیں اور ہادی علیؑ ہیں ابن عباس نے کہا ہے کہ رسالتمآبؐ نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کے فرمایا میں منذر ہوں اور علیؑ کے شانہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم ہادی ہو اے علیؑ تم سے ہدایت پانیوالے ہدایت پائیں گے میرے بعد ختم ہوا کلام رازی اس کے علاوہ ابن عقدہ نے ایک مستقل کتاب اس آیت اور ان روایات میں تصنیف کی ہے کہ جن میں اس کا ذکر ہے کہ آیت امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس روایت کو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کی طرف اسناد کرکے بعینہ اسی طرح ذکر کیا ہے جس طرح کہ رازی نے ذکر کی ہے نیز ثعلبی نے امیرالمومنینؑ سے بھی اس طرح نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ منذر رسالتمآبؐ ہیں اور ہادی بنی ہاشم میں سے ایک شخص ہے اور اس سے مراد حضرت نے خود اپنے نفس کو لیا ہے ختم ہوئی حدیث اس سے ظاہر ہوا کہ ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ اہل سنت کی تفاسیر میں یہ روایت نہیں ہے کسقدر باطل ہے اور یہ کہنا کہ "اگر اس کو مان بھی لیں تو صرف اس امر پر دلالت کریگی کہ علیؑ ہادی ہیں اور یہ مسلم ہے۔" غلط ہے اس لئے کہ صرف ہدایت پر دلالت نہیں کرتی ہے بلکہ کمال ہدایت بلکہ اسپر دلالت کرتی ہے کہ امت محمدؐ میں اصلی ہادی صرف حضرت ہی ہیں۔ بالجملہ خصوصیات اور نیز یہ کہ حضرت امیرالمومنینؑ اس آیت میں جناب رسالتمآبؐ کے مقابل واقع ہوئے ہیں اس طرح کہ ایک منذر ہیں اور ایک ہادی اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت مقدم ہیں ہر اس شخص پر کہ جو حضرت کے مقابلہ میں مدعی خلافت و امامت

ہو اور احق ہیں اس لئے کہ صرف حضرت ہی کا ہادی ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہر وقت ہیں ہادی ہوں جیسا کہ قول خداوند عالم سے مجملاً اور قول رسالتمآب سے تفصیلاً ثابت ہوا اب رہی وہ روایت کہ جس میں اصحاب کو مثل ستاروں کے بیان کیا گیا ہے تو اس کے موضوع اور باطل ہونے کے آثار ایسے ظاہر ہیں کہ پوشیدہ نہیں ہو سکتے اسلئے کہ یہ قول جو حضرت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو صرف اصحاب سے فرمایا ہو یا اصحاب اور غیر اصحاب سب سے فرمایا ہو اور یا صرف غیر اصحاب سے خطاب کیا ہو پہلی دو صورتوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایسا کلام جسمیں خود اصحاب سے کہا جائے کہ میرے اصحاب مثل نجوم کے ہیں جن کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤگے فصیح کہا جا سکتا ہے؟ کیونکہ وہ تو خود ہی ہادی ہیں اُن کو کسی کی پیروی کی کیا ضرورت ہے اب رہی تیسری شکل اُسکے متعلق یہ ہے کہ آیا کوئی روایت صحیح اسکے متعلق ہے کہ یہ کلام صرف غیر اصحاب کے لئے فرمایا یا آپ محض اپنی عقل سے اسکو تجویز کرتے ہیں کیونکہ اس روایت کو تو صرف صحابہ بلکہ عمر نے نقل کیا ہے اگر غیر اصحاب سے فرمایا ہو تو کوئی ایک تو اس کا ذکر کرتا کہ رسالتمآب نے اصحاب کے علاوہ اور تمام مسلمین کے لئے فرمایا ہے کہ اصحاب مثل نجوم کے ہیں جسکی بھی چاہو پیروی کرلو ہدایت پا جاؤگے۔ اور جبکہ تمھارے یہاں ایسی کوئی نقل نہیں ہے تو تمھارا دعویٰ باطل۔ اسکے علاوہ اور چیزیں کہ اس حدیث کے موضوع ہونیکی کاشف ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ قاضی عیاض کے شارح نے ذکر کیا ہے (جناب شہید علیہ الرحمہ نے اس شارح شفا کا نام تحریر نہیں فرمایا ہے لیکن یہ اقوال علما قدح حدیث نجوم کے متعلق ملی قاری نے شفا میں اور خفاجی نے شرح شفا میں بھی لکھے ہیں۔ مترجم) کہ اس حدیث کو دار قطنی نے اخراج کیا ہے فضائل صحابہ میں اور ابن عبدالبر نے کتاب العلم میں اخراج کر کے کہا ہے کہ اس اسناد سے کوئی حجت نہیں قائم ہو سکتی۔ اسلئے کہ حارث بن غصین اس کا راوی مجہول ہے اور عبد بن حمید نے اپنی مسند میں اس کو

عبد الرحیم بن زید سے اور اُس نے اپنے باپ سے اور اُس نے مسیب سے اُس نے عمر سے
روایت کی ہے بزار نے کہا ہے کہ یہ روایت منکر ہے صحیح نہیں ہو سکتی اور ابن عدی نے
کامل میں اسکی روایت کی ہے حمزہ بن ابی حمزہ نصیبی سے اُس نے نافع سے اُس نے عمر
سے لیکن اس میں بایھم اقتدیتم کی جگہ بایھم اخذتم ہے اور یہ اسناد بسبب حمزہ کے
ضعیف ہے اس لئے کہ وہ متہم بالکذب ہے۔ اور بیہقی نے مدخل میں اس کو ابن عباس سے
نقل کر کے کہا ہے کہ تین تو اس روایت کا مشہور ہے لیکن اسنادیں اسکی سب ضعیف ہیں
کوئی بھی ثابت نہیں۔ ابن حزم کہتا ہے کہ یہ روایت بالکل غلط جھوٹ اور بنائی ہوئی
ہے۔ حافظ زین الدین عراقی نے کہا ہے کہ مصنف یعنی قاضی عیاض کو لازم تھا کہ اس
روایت کو بصیغہ قطع ذکر نہ کرتے اس لئے کہ اس روایت کی علما کے نزدیک جو حالت
ہے وہ ظاہر ہے شارح شفا کا کلام ختم ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ خود اہل سنت اس
روایت کو غلط اور موضوع جانتے ہیں بالفرض اگر ہم اسکو صحیح بھی مان لیں تو تمام اصحاب
علی الاطلاق اس حدیث کے مصداق نہیں ہو سکتے اسلئے کہ اصحاب میں بعض ناکثین
بعض قاسطین بعض مارقین وغیرہ بھی تھے اور ان کے اتباع کے حق میں جو کچھ آیا
ہے وہ معلوم ہے تو کیا کسی مارق کا پیرو بھی ہدایت یافتہ ہوگا؟ نیز قاتلان عثمان نے
قتل عثمان میں کل صحابہ کی (بنا بر اختلاف کے) یا بعض صحابہ کی (بنا بر اتفاق کے) پیروی
کی تو مصنف اسکو تسلیم کریگا کہ یہ لوگ ہدایت یافتہ تھے؟ لہذا معلوم ہوا کہ لفظ اصحابی
سے اس روایت میں مراد بعض ایسے بزرگان صحابہ ہیں کہ جو علم و کمال سے متصف ہوں
اسلئے کہ وہی ایسے ہیں کہ اُن سے مثل نجوم ہدایت حاصل کی جائے اور ابن حجر نے
اپنی کتاب صواعق میں اسی طرح کی تخصیص کی ہے اُس روایت کی جس میں کہ اہل بیت
کے لئے فرمایا ہے کہ میرے اہلبیت اہل زمین کے لئے باعث امان ہیں جیسے کہ نجوم
اہل سمار کے لئے۔ ابن حجر کہتا ہے کہ اہل بیت سے مراد وہی لوگ ہیں جو علم و کمال

وغیرہ کے متصف ہوں۔ اور اس حدیث (یعنی حدیث نجوم) میں اگر بعض خاص صحابہ مراد نہ ہوں تو بہت سے مفاسد لازم آتے ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے مجملاً یہاں بیان کیا اور بعض کو اوائل کتاب میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس حدیث کے متعلق کسی فارسی شاعر نے کیا اچھا شعر کہا ہے **شعر**

صحابہ گرچہ جملہ کالنجوم اند ولے بعضے کواکب نحس و شوم اند

اس ناصبی گمراہ کو دیکھنا چاہیے کہ امت کی ہدایت کے قابل وہ بزرگوار ہو سکتا ہے جو سلونی عمّا دون العرش (یعنی مجھ سے عرش باری تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے سوال کرو) کہتا ہو اور اسی طرح کے اور اقوال اس سے ہوں جو دلالت اُسکے کثرتِ علم پر کرتے ہیں یا وہ شخص جو کلالہ اور اب کے معنی نہ جانتا ہو اور خود اس کا اعتراف کرے کہ پردہ کی بیٹھنے والی عورتیں تک مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں اور ستّر مرتبہ کہے لولا علیؑ لہلک عمر اور ہذہ معضلۃ ولا ابا حسن لہا ناظر کو چاہیئے کہ غور کرے اس امر پر کہ خدا فرماتا ہے افمن یہدی الی الحق احق ان یتبع امّن لا یہدی الا ان یہدی فما لکم کیف تحکمون **تکمیل جمیل** یہ جاننے کے قابل بات ہے کہ جب ایک روایت اہل سنت کے طریق سے نقل کی ہوئی اس امر پر دلالت کرے کہ امیر المومنین علیہ السّلام افضل بلکہ صرف وہی حضرت مخصوص و متفرد ہیں کسی خاص فضیلت کے ساتھ اور دوسری روایت ایسی پائی جائے انھیں کے طریق سے کہ جو کسی دوسرے کی افضلیت پر یا حضرت کے ساتھ اُس فضیلت میں شرکت پر دلالت کرتی ہو تو عقل سلیم حکم کریگی کہ پہلی روایت سچی اور دوسری جھوٹی ہے جیسا کہ والدی العلام نے اپنے بعض تعلیقات میں اس طرح واضح فرمایا ہے کہ صاحبان عقل پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین دونوں محال ہیں تو واقع میں نقیضین میں سے صرف ایک ہی واقع ہو سکتا ہے اس تمہید کے بعد یہ امر قابل غور ہے کہ ہم بہت سی معتبر احادیث

ہیں کہ جو جمہور کے نزدیک صحیح ہیں دو ایسی حدیثیں پاتے ہیں کہ دونوں کو ایک ہی شخص نے نقل کیا ہے اور ایک اُن میں سے واضح و صریح طور سے اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ امیر المومنین علیہ السّلام افضل ہیں اور دوسرے اُن کے غیر کی افضلیت پر دلالت کرے تو راوی دونوں میں صادق نہیں ہے اسلئے کہ دونوں میں تناقض ہے اور نہ دونوں میں کاذب ہے کیونکہ دونوں کا ترک کر دینا خلاف اصول ہے تو لامحالہ ایک میں صادق ہوگا اور ایک میں کاذب اب اگر وہ یہ کہیں کہ راوی نے اُس روایت میں جھوٹ بولا ہے کہ جو امیر المومنینؑ کے حق میں ہے تو ہم اسکو قبول نہیں کرینگے اسلئے کہ ایک روایت میں جھوٹ بولنے کی وجہ سے دوسری بھی قابل اعتبار نہیں رہی لہذا وہی روایت صحیح ہوگی کہ جو امیر المومنینؑ کے حق میں ہے اور دوسری غلط ہے اسلئے کہ ہم اُسکو صرف اس وجہ سے صحیح نہیں مانتے کہ راوی اہل سنت سے ہے بلکہ ہمکو اور بہت سی صحیح و متواتر حدیثیں ایسی ملی ہیں کہ جن کو ائمہ معصومین علیہم السّلام نے اور کبار صحابہ نے جو کہ موثوقین ہیں روایت کی ہیں اور وہ سب اس روایت کی مؤید ہیں۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

گیارھویں آیت وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ہے جمہور نے ابن عباس اُنھوں نے ابو سعید خدری سے اُنھوں نے جناب رسالتمآب صلعم سے روایت کی ہے کہ ولایت علی ابن ابی طالب سے سوال کیا جائے گا۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اہل سنت سے نہیں ہے اور اگر صحیح مان لیں تو یہ معلوم ہوگا کہ علیؑ اولیاء خدا سے ہیں ولی محب و مطیع کو کہتے ہیں لہذا یہ آیت بھی امامت پر نص نہ ہوگی۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ یہ روایت اہل سنت کے یہاں نہیں ہے جہل و عناد کی وجہ سے ہے اسلئے کہ صواعق ابن حجر میں یہ روایت دیلمی و واحدی سے منقول ہے چنانچہ ابن حجر کہتا ہے کہ دیلمی نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا کہ وقفوهم انهم مسئولون عن ولاية علی (یعنی روک لو ان لوگوں کو ان سے ولایت علیؑ کے بارہ میں سوال کیا جائے گا) اور یہی مراد واحدی کی بھی ہے چنانچہ اس نے کہا ہے کہ اس آیت کے بارہ میں روایت کی گئی ہے کہ ولایت علیؑ و اہل بیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا اس لئے کہ حق سبحانہ و تعالی نے اپنے نبی کو حکم دیا تھا کہ وہ خلق کو یہ بتلادیں کہ وہ حضرت تبلیغ رسالت پر کوئی اجر سوا محبت اہل قرابت کے نہیں چاہتے لہذا ان سے سوال کیا جائے گا کہ آیا انھوں نے اہل بیت کو جیسا کہ چاہئے تھا اور جیسا کہ نبی نے وصیت کی تھی دوست رکھا یا نبی کی وصیت کو ضائع کر دیا تو انھیں سے مطالبہ کیا جائے ختم ہوا کلام ابن حجر۔ اب رہا یہ امر کہ اگر یہ روایت صحیح مان بھی لی جائے تو وہ حضرت اولیاء خدا میں سے ہوں گے ویسی تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ولایت جسکے لئے ٹھہرا کر سوال کیا جائے گا وہ معنی امامت میں ہے کہ جو مساوی نبوت ہے نہ محبت اسلئے کہ محض محبت کوئی اصل اعتقادی نہیں قرار دی گئی ہے کہ اس سے سوال کیا جائے بلکہ وہ تو لازمہ ہے اس امر کا کہ کسی ذات کو نبی یا امام سمجھا جائے تو اس سے محبت بھی ہوگی اور جبکہ ولایت کے معنی امامت ہوئے تو یہ آیت امامت پر ضرور نص ہوگی چاہے ناصبی کی اس میں ذلت ہو۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

بارھویں آیت ولتعرفنهم فی لحن القول ہے جمہور نے ابو سعید خدری سے

روایت کی ہے لحن سے مراد یہ ہے کہ وہ علیؑ سے بغض رکھتے ہیں۔

قول ابن روزبہان

یہ بھی تفسیر اہل سنت میں نہیں ہے اور اگر صحیح ہو تو علیؑ کی فضیلت پر دلالت کریگی نہ یہ کہ امامت پر نص ہو۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

اس آیت کو حافظ ابو بکر موسیٰ بن مردویہ نے کتاب المناقب میں اُن روایات کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ جو امیرالمومنینؑ کی شان والاشان میں نازل ہوئی ہیں اور وہ سب کتاب کشف الغمہ میں مذکور ہیں۔ اس آیت سے استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ جس شخص کے بغض کو خداوند عالم نے دلیل نفاق و کفر قرار دیا ہو وہ سوائے نبی یا امام کے اور کوئی نہیں ہو سکتا کم از کم یہ تو ضرور ہے کہ نبی کے بعد تمام خلق سے افضل ہو۔

کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ

تیرہویں آیت السابقون السابقون اولئک المقربون ہے چنانچہ جمہور نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس امت کے سابق جناب علی بن ابی طالب ہیں۔

قول ابن روزبہان

ہاں یہ حدیث روایت اہل سنت سے ہے مگر اُس کی عبارت یہ ہے کہ سباق الامم ثلاثہ مؤمن آل فرعون و حبیب النجار و علی بن ابی طالبؑ اور اس میں شک نہیں کہ علی سابق فی الاسلام اور صاحب سبقت اور فضائل ہیں ایسے کہ جن کا اخفا نہیں ہو سکتا

لیکن آیت امامت پر نص ہونے پر دلالت نہیں کرتی اور نہ ما ثبوت نص ہے۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

اس روایت کے آخر میں خصوصاً اوس روایت میں جس کو فخر الدین رازی نے آیہ وقال رجل من آل فرعون یکتم ایمانہ الایہ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے جملہ وھو افضلھم واقع ہے جس کو ناصب شقی نے محض امیرالمومنینؑ کی عداوت اور اس امر سے بچنے کیلئے کہ اس فقرہ کے ذکر کرنے سے امیرالمومنین کا اس امت سے افضل ہونا ثابت نہ ہو پوشیدہ کیا ہے پس غور کرنا اور سمجھنا چاہیئے۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

چودہویں آیت اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام الیٰ قولہ ان اللہ عندہ اجر عظیم ہے جمہور نے جمع بین الصحاح الستہ میں روایت کی ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالبؑ کی شان میں اس وقت نازل ہوئی کہ جب طلحہ بن شیبہ وعباس نے فخر کیا ہے تو طلحہ نے کہا تھا کہ میں خانہ کعبہ کے ساتھ اولیٰ ہوں اس لئے کہ میرے پاس خانہ کعبہ کی کنجی ہے عباس نے کہا کہ میں سقایت حجاج کرتا ہوں اُس وقت امیرالمومنین علیہ السلام نے کہا کہ میں تمام آدمیوں سے اولیٰ ہوں ایمان میں اور بڑا جہاد کرنے والا ہوں پس خداوند عالم نے بیان افضلیت امیرالمومنینؑ کے لئے اس آیت کو نازل فرمایا۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت جمہور اہل سنت کے مطابق صحیح ہے اور ہمارے علماء نے اس کو فضائل امیرالمومنین علیہ السلام میں بھی شمار کیا ہے اور فضائل اون جناب کے

چودہویں آیت

بیشمار ہیں اون کا احصا نہیں ہو سکتا اور کثرت فضائل امیر المومنینؑ محل خلاف نہیں ہے کہ اس پر دلائل قائم کیے جائیں بلکہ کلام تو نص امامت کے بارے میں ہے پس یہ آیت بھی نص امامت امیر المومنینؑ پر دلیل نہیں ہے۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ یہ آیت مع روایت مذکورہ کے افضلیت امیر المومنین علیہ السلام پر دلالت کرتی ہے اور یہی امر محل خلاف ہے جیسا کہ اس سے قبل گذرا اور وجہ دلالت یہ ہے کہ یہ دونوں عباس و طلحہ اپنی اپنی اولویت خانہ کعبہ کا دعویٰ بہ نسبت اپنے غیر کے کرتے تھے پس امیر المومنینؑ نے ان دونوں کے دعویٰ کو رد فرما دیا اس طرح پر کہ خانہ کعبہ کے ساتھ اولیٰ میں ہوں اور میرے سوا کوئی دوسرا اولیٰ نہیں ہے اور بنابر اس روایت کے خداوند عالم نے بھی تصدیق فرمائی پس وہ جناب اولیٰ ہوئے خانۂ کعبہ کے ساتھ خصوصاً اولیٰ بہ بیت معنوی اور امیر المومنینؑ افضل قرار پائے کل آدمیوں سے پس وہی جناب اولیٰ بالامامۃ ہوں گے اور خانہ کعبہ کے تمام امور سے واقف ہوں گے کیونکہ مشہور ہے صاحب البیت ابصر بما فی البیت۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

پندرہویں آیت آیہ مناجات ہے اور مناجات رسول خدا سے سوائے امیر المومنین علیہ السلام کے اور کسی نے نہیں کی ابن عمر نے بیان کیا کہ علی علیہ السلام کے لئے تین خصلتیں ایسی ہیں اگر ان میں سے ایک بھی میرے لئے حاصل ہوتی تو وہ میرے نزدیک سرخ ناقوں سے بہتر ہوتی ایک یہ کہ علیؑ کی تزویج فاطمہ زہراؑ کے ساتھ ہوئی دوسرے جناب رسول خدا صلعم نے بروز خیبر آنحضرتؑ کو علم مرحمت فرمایا تیسری خصلت یہ ہے کہ علی علیہ السلام

پندرہویں آیت کی دلیل

آیت نجویٰ کے ساتھ مخصوص ہوئے۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث روایت اہلسنت سے ہے اور آیت نجویٰ پر سوائے اون جناب کے اور کسی نے عمل نہیں کیا اور اس میں بھی کسی کو کلام نہیں ہے کہ یہ فضیلت امیرالمومنینؑ کی منجملہ اون فضائل کے ہے کہ زبانیں ان کے احاطہ سے قاصر ہیں لیکن یہ آیت نجویٰ اون حضرت کی امامت پر نص نہیں ہے۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

جناب مصنف علیہ الرحمہ نے اس آیت سے امیرالمومنین علیہ السلام کی افضلیت پر استدلال کیا ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ آنحضرتؑ تمامی اصحاب میں مضمون آیت کے عمل کرنے میں سابق تھے اور بعد اس کے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے اس آیت کے مطابق عمل فرمایا دیگر اصحاب سے یہ حکم منسوخ ہوگیا پس اس آیت کا نزول بیان ہے افضلیت امیرالمومنین علیہ السلام کا اور اون جناب کی سبقت طرف قبول اوامر آلہیہ کے اور عمل اون کے پس وہ جناب سب سے افضل ہونگے اور اس فضیلت کی تمنا ابن عمر نے کی تھی اور کبھی اس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے غلط ہونے پر اوس امر کے جس کی بابت اہلسنت یہ دعوے کرتے ہیں کہ ابوبکر صاحب مال تھے اور وہ اپنے مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتے تھے اور یہ دعویٰ اس وجہ سے غلط ہے کہ جب ابوبکر نے قبل مناجات رسول خداصلعم ایک یا دو درہم کے صدقہ دینے میں بخل کیا اور آنحضرتؐ سے مفارقت اختیار کی اور اون جناب کی زیارت اور مخاطبہ سے دس شبوں تک محروم رہے جیسا کہ اسکو ابن مرتضیٰ نے جو اہلسنت سے ہے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور زمخشری نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے

اور یہ بخل ایسا تھا کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس پر عتاب فرمایا یہ محال ہے کہ ایسا
شخص اس مقدار مال کو راہ خدا میں صرف کرے جس کو وہ روایت کرتے ہیں جیسا
کہ یہ ظاہر ہے اور بتحقیق کہ قاضی عبدالجبار نے اس مقام پر مکابرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ
یہ آیت بخوبی افضلیت امیرالمومنین علیہ السّلام پر نہیں دلالت کرتی ہے علاوہ اکابر صحابہ
کے کیونکہ وقت شاید اس غرض پر عمل کرنے کے لئے وسیع نہیں تھا میں کہتا ہوں کہ فساد
اس قول کا ظاہر ہے کیونکہ اصولیین نے علاوہ ان کے جو تکلیف مالا یطاق کے قائل ہیں
اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ خداوند عالم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے بندوں کو کسی فعل
کی تکلیف دے ایسے زمانہ میں جبکہ وہ اوس فعل کو اوس زمانہ میں نہ بجا لاسکیں نیز قاضی کا
یہ احتمال اُس روایت کی دلالت سے دفع ہوتا ہے جسکو ابن مغازلی نے کتاب للمناقب میں نقل
کیا ہے اور بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں کہ امیرالمومنین علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا
کہ قرآن مجید میں ایک آیت ایسی ہے جس پر نہ مجھ سے قبل کسی نے عمل کیا ہے اور نہ میرے
بعد ان پر کوئی عمل کرے گا اور وہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک دینار تھا اس سے میں نے
دس درہم خرید کئے پس جب میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ سے مناجات
کرتا تھا تو قبل مناجات ایک درہم تصدق کر دیتا تھا پس یہ روایت وسعت وقت کیلئے
تصریحاً دلالت کرتی ہے اور اسی طرح قاضی کے احتمال کو دفع کرتی ہے وہ روایت جسکو
حافظ ابونعیم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے رسولخدا
صلعم سے بغیر صدقہ دیئے ہوئے کلام کرنے کو حرام فرمایا ہے اور تمام اصحاب نے قبل کلام
رسول صدقہ دینے سے بخل کیا اور امیرالمومنین علیہ السّلام نے قبل کلام رسول صدقہ
دیا اور اس امر پر بجز امیرالمومنین علیہ السّلام کے اور کسی مسلمان نے عمل نہیں کیا اور نیز یہ
دلیل ہے اس بات پر کہ دیگر اصحاب ترک مناجات وصدقہ دینے پر معذور رتھے کیونکہ خدا
فرماتا ہے فان لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم پس ذکر توبہ دلالت کرتا ہے توجہ عتاب پر

ان کی طرف بسبب اہمال و سستی امتثال حکم کے اور اگر وقت مضیق ہوتا جیسا کہ اس کو قاضی نے ذکر کیا ہے تو یہ عتاب متوجہ ہوتا اور ایک دلیل عدم معذوریت کی یہ ہے کہ ابن عمر نے اس فضیلت امیر المومنینؑ کے حصول کی تمنا کی جیسا کہ اس کا بیان گذرا اور تحقیق کہ فخر الدین رازی نے طنبورہ میں ایک نغمہ زنبور کوا ور زیادہ کیا ہے اور کہا ہے کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ وقت اس عمل کے لئے وسیع تھا مگر اس عمل پر اقدام کرنا اس چیز سے تھا کہ جو فقیر کے قلب کو تنگ کرتا تھا جسکے پاس کوئی شے موجود نہ ہو اور مرد غنی کے دل کو متنفر کرتا تھا پس ایسے عمل کے ترک میں کوئی محذور نہ ہوگا کیونکہ جو امر سبب الفت ہو وہ بہتر ہے اس امر سے جو سبب وحشت ہو اور نیز ایک وجہ یہ ہے کہ صدقہ مناجات کے وقت واجب ہے لیکن مناجات نہ تو واجب ہے نہ مستحب بلکہ مناجات کا ترک کر دینا اولی ہے جیسا کہ ہمنے بیان کیا ہے کہ اگر مناجات سبب اذیت نبیؐ تھی تو اس کا ترک کر دینا اولی تھا ختم ہوا کلام فخر الدین رازی کا اور اسکا جواب فاضل نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اسطرح دیا ہے کہ یہ کلام تعصب سے خالی نہیں اور ہمارے لئے کہاں سے یہ امر لازم ہوگا کہ ہم مفضولیت امیر المومنینؑ کی ہر خصلت میں ثابت کریں اور کیونکر یہ جائز ہوگا کہ آنحضرت کیلئے وہ فضیلت حاصل ہو جو اکابر صحابہ میں سے کسی کیلئے حاصل نہوئی ہو پس بہ تحقیق کہ ابن عمر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ علیؑ کیلئے ایسی تین خصلتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھکو حاصل ہوتی تو وہ میرے نزدیک ناقہ ہائے سرخ سے بہتر تھی ایک حضرت فاطمہؑ سے تزویج ہونا دوسرے بروز خیبر حضرت کا اُن جناب کو علم عطا فرمانا تیسری آیت نجوی کا ان کے لئے مخصوص ہونا اور آیا کوئی منصف اس بات کا قائل ہوگا کہ مناجات نبیؐ کوئی بری بات ہے باوصفیکہ آیت میں کوئی نہی مناجات سے وارد نہیں ہوئی ہے ہاں البتہ تقدیم صدقہ کی مناجات میں وارد ہوئی ہے پس جو شخص آیت کے مطابق عمل کرے گا اس کو دو طرح سے فضیلت حاصل ہوگی ایک یہ کہ تصدق دینے میں بعض فقرا کی حاجت روائی ہے دوسرے یہ کہ مناجات رسول صلعم سے

محبت ثابت ہوگی پس ایسے صدقہ دینے میں قربت خداوند عالم ہے اور حل مسائل مشکلہ ہے (یعنی جو شخص آنحضرتؐ سے مناجات پر فائز ہوگا وہ مسائل مشکلہ کو آنحضرتؐ سے حل کریگا) اور اظہار اس امر کا ہے کہ مناجی مال سے زیادہ آنحضرتؐ کی مناجات کو دوست رکھتا ہے ختم ہوا کلام فاضل نیشاپوری کا **جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ** فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ فخر الدین رازی پر ایک اور اعتراض متوجہ ہوتا ہے کہ جو ایراد فاضل نیشاپوری سے کہیں بالاتر ہے اور وہ یہ ہے کہ سبب تشریع صدقہ کا بوقت مناجات حاجت روائی فقرا اور راون کے ساتھ نرمی کرنا ہے اور باوصف اس کے وہ لوگ شرعاً وعرفاً معذور ہیں اور یقیناً حکم آیت سے خارج ہیں پس ان کے دلوں کو شکستہ کرنا کسی طرح لازم نہیں ہے جیسا کہ یہ امر ظاہر ہے علاوہ اس کے جو کچھ ایراد کیا ہے فخر رازی نے (یعنی یہ کہ فقرار کا تصدق نہ کرسکنا ان کی دل بستگی کا باعث ہوگا) وہ جاری ہے تشریع حج و زکوٰۃ اور مثل ان کے ان عبادات سے کہ جن کا وجوب یا ندب مال پر موقوف ہے پس ایسی صورت میں جائز ہے کہ بسبیل قیاس تقریر رازی کہا جائے کہ اولیٰ عدم شریعت زکوۃ ہے کیونکہ وہ بھی اس چیز سے ہے کہ تنگ کرتا ہے قلب فقیر کو جس کے پاس بقدر نصاب مال موجود نہو اور مرد غنی ادائے زکوۃ سے متنفر ہوتا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہوگا یا کم از کم حد کفر میں ہوگا خدا کے ساتھ اور نیز ایک یہ امر ہے کہ خداوند عالم نے لفظ صدقہ کو مطلق ارشاد فرمایا ہے اور اس کے لئے کوئی مقدار معین نہیں فرمائی تاکہ کہا جائے کہ ابوبکر یا غیر ان کے فقرار سے اکثر عاجز رہے بلکہ صدقہ کا حکم غنی و فقیر دونوں پر وارد ہے اگر بقدر ایک ثمر (خرما) یا بقدر ماس کے ایک جزو کے ہو اور اسی طرح منع کرنا مناجات رسول خدا کو مستحب ہونے سے حد کفر میں ہے اور تعرض کیا ہے فاضل نیشاپوری نے اس امر کے ساتھ اشارہ سے پس اس کو تم سمجھو۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

سولہویں دلیل امامت یہ ہے کہ ابن عبد البر و بعض دیگر راویوں نے اہلسنت کے آیہ واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا کے متعلق روایت کی ہے شب معراج آنحضرت صلعم کو اور تمام انبیاء کو خداوند عالم نے ایک جگہ جمع فرمایا پھر حضرت سے ارشاد کیا کہ اے رسول ہمارے ان انبیاء سے ایک سوال کیجئے کہ تم سب کس چیز پر مبعوث ہوئے ہو سب انبیاء نے جواب دیا کہ ہم مبعوث ہوئے ہیں اس بات پر کہ گواہی دیں کہ سوائے خدا کے اور کوئی معبود قابل پرستش نہیں ہے اور آپ کی نبوت اور علیؑ بن ابی طالب کی ولایت کا اقرار کریں۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اہلسنت کی نہیں ہے اور ظاہر آیت اس تفسیر سے انکار کرتی ہے کیونکہ پوری آیت اس طرح پر ہے کہ واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن آلھۃ یعبدون اور مراد اس آیت سے یہ ہے کہ اجماع انبیاء کا وجوب توحید اور نفی شرک پر واقع ہوا ہے اور یہی مفہوم آیہ ہے اور یہ روایت (یعنی جو علامہ نے ذکر کی ہے) جو ابھی مذکور ہوئی منجملہ مناکیر کے ہے اور اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کیا جائے تو اس سے نص امامت جس کا دعویٰ کیا گیا ہے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ تجکو معلوم ہے کہ ولایت کا اطلاق معانی کثیرہ پر ہوتا ہے۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت ادنی تغیر الفاظ سے تفسیر نیشاپوری میں ثعلبی سے منقول

ہے جیساکہ ادس نے کہا ہے کہ ابن مسعود نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد
فرمایا ایک ملک میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا آپ ان انبیاء سے جو آپ کے
قبل مبعوث ہوئے ہیں سوال کیجئے کہ کس امر پر وہ مبعوث ہوئے ہیں پس میں نے اُن سے یہ سوال
کیا کہ تملوگ کس بات پر مبعوث ہوئے ہو تو اُنھوں نے جواب دیا کہ آپکی اور علیؑ ابن ابی طالبؑ کی
ولایت کے اقرار پر مبعوث ہوئے ہیں روایت کیا ہے اسکو ثعلبی نے لیکن یہ روایت قول باری تعالیٰ
اجعلنا من دون الرحمٰن الھۃ یعبدون کے مطابق نہیں ختم ہوا قول نیشاپوری کا اور جو کچھ ہمنے نقل
کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ روایت منجملہ روایات اہلسنت کے ہے اور جس مناقشہ
کو کہ ابن روزبہان نے ذکر کیا ہے بتحقیق کہ اس کو اس نے نیشاپوری سے اخذ کیا ہے
اور یہ مناقشہ باوصف اسکے کہ اس میں عیب اپنی طرف منسوب کرنے کا ہے ضعیف
ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ لفظ جعل اس آیت میں استفہامیہ بمعنی حکم کے ہو جیساکہ نیشاپوری
نے آخر میں اس کی تصریح کی ہے اور یہ پورا جملہ اجعلنا من دون الرحمٰن الھۃ
یعبدون حکایت قول رسول ہو اور تاکید ہو اس قول کی جو اس کلام میں مضمر ہے
یعنی اقرار بعثت انبیاء شہادت مذکورہ پر اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اس میں کوئی شخص
توقف کرے مگر وہ کہ جو سوائے خدا کے اور خداؤں کو قابل پرستش قرار دے اور
مثال اس اضمار کی قرآن مجید میں واقع ہوئی ہے جیساکہ خدا فرماتا ہے انا انبئکم
فارسلون یوسف ایھا الصدیق افتنا پس مراد اس آیت میں جیساکہ نیشاپوری
نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ ارسلونی الیہ لاسئلہ یعنی عزیز مصر سے کہنے والے نے یہ
کہا کہ مجھے یوسفؑ کے پاس بھیجئے تاکہ میں ان سے سوال کروں اور مجھے حکم دیجئے کہ
میں ان سے تعبیر خواب دریافت کروں پس اونھوں نے اس شخص کو قیدخانہ میں جناب
یوسفؑ کے پاس بھیجا اور وہ آیا اور اس نے یوسفؑ سے کہا آخر آیت تک غایۃ الامر
یہ ہے کہ یہ آیہ جس میں بحث ہو رہی ہے بسبب خفاء قرینہ کے تعین محذوف پر ان

متشابہات سے ہو جائیگی کہ جس کے معنی بجز توفیق خدا بذریعہ زبان رسولؐ کے نہیں معلوم ہو سکتے ہیں اور یہ امر قدح نہیں کرتا ہے مطابقت قول خداوند عالم اجعلنا الھۃ کے واسطے شان نزول کے پس مناقشہ باقی نہ رہے گا اور اس روایت میں کوئی چیز مناکیر سے نہیں ہے جیسا کہ ابن روزبہان نے بیان کیا ہے اور جز سے نیست کہ یہ منکر ناصبی ایسا بدگفتار ہے کہ جو جاتا ہے ہر باطل کی طرف اور آواز لگاتا ہے ہر آواز لگانے والے کے ساتھ اور اپنے متاخرین کی کاسہ لیسی کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ جو کچھ اونھوں نے ذکر کیا ہے بس وہی مقاصد دین کے لئے گویا آخری کلام ہے۔

کلام جناب علامہ حلیؒ علیہ الرحمۃ

سترہویں آیت قول باری تعالیٰ وتعیھا اذن واعیۃ ہے جمہور نے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیرالمومنین علیہ السّلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول ابن روزبہان

مفسرین نے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسول خدا صلعم نے علیؑ سے یہ فرمایا کہ یا علیؑ میں نے خدا سے سوال کیا کہ اذن واعیہ تمہارا اذن قرار دے (یعنی یاد رکھنے والا کان) علیؑ نے فرمایا کہ بعد اس دعائے رسولؐ کے پھر مجھے کوئی چیز بھی نہیں بھولی اور یہ روایت حضرت علیؑ کے علم و حفظ و فضیلت پر دلالت کرتی ہے لیکن ان کی امامت پر دلیل نص نہیں ہے۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمۃ

میں کہتا ہوں کہ واحدی نے اسباب نزول القرآن میں بریدہ سے روایت

سترہویں آیت

کی ہے اور ابو نعیم نے کتاب حلیۃ الاولیاء میں امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے اور
ابو القاسم بن حبیب نے اپنی تفسیر میں زر بن حبیش سے اور اونھوں نے علی علیہ السلام
سے روایت کی ہے اور الفاظ ابو القاسم کے یہ ہیں فرمایا امیر المومنینؑ نے کہ جناب
رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجکو اپنے سینہ سے لگایا اور ارشاد فرمایا کہ اے
علیؑ مجکو خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تمکو اپنے سے قریب رکھوں اور تمکو علیحدہ نہ کروں اور
یہ کہ تم میرے قول کو سماعت کرو اور اس کو یاد رکھو اور تفسیر ثعلبی میں یہ روایت بریدہ منقول
ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو تعلیم دوں اور تم اسکو
یاد رکھو اور خدا پر فرض ہے کہ تم سنو اور یاد رکھو پس یہ آیت نازل ہوئی وتعیھا
اذن واعیۃ اور بعض مفسرین نے اسی حدیث کو روایت کیا ہے جس کو ابن روزبہان
نے نقل کیا ہے پس اس نے روی المفسرون کا جو مطلق لفظ کہدیا ہے اس سے
جو کچھ اس کے تعصب کا حال ظاہر ہوتا ہے وہ واضح ہے اور کہا ہے صاحب کشاف و
فخر الدین رازی نے بعد ذکر کرنے اس روایت کے جس کو ابن روزبہان نے شان
امیر المومنینؑ علیہ السلام میں نقل کیا ہے پس اگر یہ کہا جائے کہ اذن واعیۃ کیوں کہا یعنی واحد
کا صیغہ اور پھر بطور نکرہ کیوں استعمال کیا تو ہم کہیں گے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ آگاہ
ہوں کہ اس صفت سے متصف کم ہوا کرتے ہیں تاکہ ان کو سرزنش ہو کہ ہم میں محفوظ
رکھنے والے کم ہیں اور اس امر پر دلالت ہو کہ ایک کان بھی اگر محفوظ رکھے اور سمجھے
خدا کی طرف سے تو وہ خداوند عالم کے نزدیک سواد اعظم ہے باوجودیکہ وہ ایک ہی ہے
اور اس کے علاوہ کسی طرف توجہ نہ کی جائیگی اگرچہ ان سے تمام عالم مملو ہو صاحب کشاف
کا قول ختم ہوا پھر میں یہ کہتا ہوں کہ آیت نے دلالت کی (اون اسرار کے ساتھ کہ جن کا
کشف علامہ معتزلہ اور امام اشاعرہ نے کیا) اس امر پر کہ زمان رسالتمآب صلعم میں علی کو
اس صفت کے ساتھ اختصاص حاصل تھا اس لئے کہ صاحب کشاف و رازی نے

تصریح کی ہے کہ رسالتمآبؐ کی دعا علیؑ کے حق میں مستجاب ہوئی اور ان کے اغیار کو سرزنش کی گئی اور بتلایا گیا کہ ان کی طرف کوئی توجہ والتفات نہیں ہے لہٰذا حضرتؑ ہی امامت کے لئے احق ہوئے جیسا کہ ہمارا مدعا ہے۔ یہاں پر ایک تمہید کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ اس کا حوالہ دیا جاسکے وہ یہ ہے کہ جو شخص قرآن وحدیث میں تامل کریگا اس کو معلوم ہو جائیگا کہ سوا علم کے اور کسی سبب سے فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ عالم کو عابد کو پر وہی فضیلت حاصل ہے جو مجھکو تم میں سے ادنیٰ شخص پر حاصل ہے اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کے بندوں میں اس سے صرف علما ہی ڈرتے ہیں پس خداوند عالم نے خوف وتقویٰ کا حصر علما ہی پر فرما دیا ہے باوجودیکہ یہ بھی فرماچکا ہے کہ تم میں سب سے زیادہ باعزت خدا کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اور اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ تمام صحابہ سے اعلم تھے اس لئے کہ ہر صحابی کا امیرالمومنینؑ سے استفسار کرنا مشہور ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ لوگ ان امور سے جاہل تھے۔ جن کا استفسار کیا کرتے تھے چنانچہ عمر کا یہ قول کہ لولا علی لہلک عمر مثل کی حد تک پہونچ گیا اور یہ دلیل ہے اس امر کی کہ علیؑ علیہ السّلام اعلم تھے۔ اب باقی یہ امر کہ جو اعلم ہو وہ افضل بھی ہے تو یہ ثابت نص سے ہو گیا جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے اور جب یہ صغریٰ وکبریٰ شکل اول کی بنا پر ثابت ہو گئے تو نتیجہ بدیہی ہے جس سے انکار سوائے مکابرہ ومعاندہ کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ جس کی طرف توجہ نہ ہوگی۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

اٹھارہویں آیت سورۂ ہل اتیٰ ہے چنانچہ جمہور کافہ نے روایت کی ہے کہ حسنین علیہما السّلام مرض میں مبتلا ہوئے جناب رسالتمآبؐ اور تمام عرب نے ان کی عیادت کی امیرالمومنینؑ نے نذر کی کہ اگر دونوں بچے اچھے ہو جائیں تو تین روز برابر روزے رکھیں گے ایسی

نذر جناب معصومہ نے اور انکی خادمہ فضہ نے بھی کی چنانچہ جب شاہزادوں کو صحت ہوئی تو اہلبیت کے پاس تھوڑا بہت کچھ بھی نہ تھا امیرالمومنینؑ نے تین صاع جو قرض حاصل کئے اور جناب معصومہ نے ایک صاع جو پیس کے خمیر کئے اور اس کی پانچ روٹیاں پکائیں تاکہ ہر شخص ایک روٹی کھائے جب امیرالمومنینؑ نماز مغرب سے فارغ ہو کر عصمت سرا میں تشریف لائے تو وہ روٹیاں سامنے رکھی گئیں تاکہ سب حضرات افطار صوم فرمائیں کہ ایک مسکین نے آکر سوال کیا سب حضرات نے اپنی اپنی روٹیاں اوس کو دیدیں اور خود گرسنہ رہے دوسرے روز پھر سب نے روزہ رکھا اور اسی طرح معصومہؑ نے ایک صاع جو کی روٹیاں تیار کیں اور جب فطار کرنا چاہا تو ایک یتیم نے آکر سوال کیا پھر سب نے اپنی اپنی روٹیاں اس کو مرحمت کر دیں تیسرے روز پھر اسی طرح ایک اسیر نے آکر سوال کیا اور سب نے اس کو دیدیا اور تین روز برابر سوائے پانی سے افطار کرنے کے کوئی غذا استعمال نہیں فرما سکے جناب رسالتمآبؐ نے جب چوتھے روز اپنے اہلبیت کو ملاحظہ فرمایا تو یہ حالت تھی کہ گرسنگی کی وجہ سے سب کانپتے تھے اور جناب معصومہؑ کا شکم پشت سے مل گیا تھا اور آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے درگاہ صمدیت میں عرض کیا کہ بارالہا میرے اہلبیت شدت گرسنگی سے تلف ہوئے جاتے ہیں پس جبرئیل امین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ لیجئے خداوند عالم آپ کو تہنیت دیتا ہے آپکے اہلبیت کے بارے میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کیا لوں تو جبرئیل نے سورۂ ہل اتی کی تلاوت کی۔

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں کہ بعض مفسرین نے اس کی شان نزول یہی ذکر کی جو کہ علامہ نے بیان کی لیکن بہت سے محدثین اہل تفسیر نے اس میں یہ کلام کیا ہے کہ آیا صدقہ دینے میں

اس حد کا مبالغہ کہ جس کی وجہ سے خود اس کے اہل و عیال بسبب گرسنگی قریب بمرگ ہو جائیں جائز بھی ہے یا نہیں درحالانکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے نبیؐ تم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ کیا صدقہ دینا چاہیئے تو کہہ دو کہ جو نفقہ عیال سے بچ رہے وہ دینا چاہیئے اور جناب رسالتمآبؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ بہترین صدقہ وہ چیز ہے کہ جو صاف ہو اور فاضل ہو۔ اور اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو امامت پر نص نہیں ہے جیسا کہ تم کو معلوم ہوا۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمۃ

فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ ہمارے اصحاب میں سے واحدی نے کتاب البسیط میں ذکر کیا ہے کہ یہ سورہ علیؑ کی شان میں نازل ہوا ہے اور معتزلہ میں سے صاحب کشاف نے اس کو ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حسنینؑ مریض ہوئے اور پورا قصہ ذکر کیا ہے اور جن لوگوں نے مفسرین میں سے اس امر کا ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوا ہے انھوں نے آیت کو اپنی عموم پر باقی رکھا ہے اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں یا تو ان کو یہ معلوم ہی نہیں ہوا اور یا بسبب عداوت اہلبیت قصداً اس کو مخفی کیا۔ اب رہا کلام ناصبی کا کہ بہت سے محدثین مفسرین نے اس روایت سے انکار کیا ہے اور اس امر میں کلام کیا ہے کہ آیا اس حد تک صدقہ میں مبالغہ جائز بھی ہے یا نہیں تو ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود ناصبی کے تشکیکات ہیں کسی اور محدث یا مفسر نے ایسا شک نہیں کیا ہے ورنہ اگر کچھ بھی اسکی اصلیت ہوتی تو فخرالدین رازی جو اپنی تفسیر میں ہر جگہ شک کیا کرتا ہے ضرور ذکر کرتا۔ تعجب خیز و حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اس ناصبی کے علما جن میں فخرالدین رازی اور نیشاپوری ہیں اپنی تفسیروں میں ذکر کرتے ہیں کہ آیہ کو نوا مع الصادقین ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے جنھوں نے

اپنی نفسوں کو مسجد کے ستونوں میں باندھ دیا تھا اور وہ علماء اس کو تسلیم کرتے ہیں اسمیں نہ ان کو کچھ تامل ہے نہ کلام کہ آیا ریاضت نفس اس حد تک جائز ہے یا نہیں بلکہ اپنے مشائخ اور نقشبندی صوفیوں وغیرہ کی بھوک کا ذکر کرتے ہیں جس کو اس سے بھی زیادہ کہا جاتا ہے باوجود اس کے کہ یہ محض اپنے نفس پر ضرر برداشت کرنا ہے بغیر اس کے کہ کسی کو فائدہ پہونچے اور اہلبیتؑ کی گرسنگی و ایثار پر جو کہ مسکین و یتیم و اسیر کے لئے ہوتا ہے اپنی منتہائے نافہمی سے انکار کرتے ہیں باوجودیکہ یہ روایت پایہ ثبوت کو پہونچ چکی ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ سائل[1] جبرئیلؑ تھے جنھوں نے خداوند عالم کی طرف سے بغرض امتحان اہلبیت تین شبوں میں مختلف ہیئتوں میں آکر سوال کیا اور حصکفی[2] شاعر نے کیا اچھا کہا ان لوگوں کے بارے میں کہ جو اس فضیلت کے منکر ہیں وہ کہتا ہے ؎

قوم اتی فی مدحھم ھل اتی ۔۔۔ ماشك فی ذلك الا ملحد

قوم لھم فی کل ارض مشھد ۔۔۔ لا بل لھم فی کل قلب مشھد

یعنی اہلبیت طہارت ایسے جلیل القدر ہیں کہ جن کی مدح میں سورۂ ہل اتی نازل ہوا کہ

---

[1] مترجم کہتا ہے کہ جبرئیلؑ کا تینوں شبوں میں بصورت سائل آنا شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تفسیر فتح العزیز میں بھی لکھا ہے چنانچہ تفسیر مذکور میں مرقوم ہے۔ گویند کہ دریں ہر سہ شب جبرئیلؑ بصورت گدا و یتیم و اسیر شدہ برائے امتحان صبر اہل بیت تشریف آوردہ بودند وان ہمیں مقام گفتہ اند کہ حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ ملک دنیا را بنان خود گرفتہ اند و ملک عقبیٰ را بنان خود خریدہ لیکن حافظ گنجی نے کفایۃ الطالب میں علامہ ابن الصلاح سے نقل کیا ہے ان السؤال کانوا ملئکۃ من عند رب العالمین وکان ذلك امتحانا من اللہ عزوجل اور حافظ مذکور نے شیخ الحرم البشیر تبریزی سے نقل کیا ہے ان السائل الاول کان جبرئیل والثانی میکائیل والثالث اسرافیل بہرحال ملئکہ کا سائل ہونا مسلم ہے ۱۲

[2] مترجم کہتا ہے کہ حصکفی کا پورا قصیدہ جس میں یہ دونوں شعر بھی ہیں سبط ابن الجوزی نے تذکرہ خواص الائمہ میں ذکر کیا ہے اور حصکفی کا کچھ حال بھی لکھا ہے اور حصکفی کا ترجمہ انساب سمعانی اور تاریخ ابن خلکان میں بھی مذکور ہے ۱۲

جس میں سوا ملحد کے اور کوئی شک نہیں کر سکتا اہلبیت ایسے ہیں کہ جن کے ہر حصہ زمین پر مشہد ہی نہیں بلکہ ہر قلب میں ہے اور ناصبی کا یہ توہم کہ یہ روایت اس قول خداوند عالم سے معارض ہے کہ جس میں صدقہ کا ذکر ہے تو وہ اس طرح دفع ہوتا ہے کہ جس طرح لفظ عفو کی تفسیر ناصبی نے بیان کی ہے اسی طرح اس لفظ کی تفسیر افضل مال سے بھی کی گئی ہے یعنی عفو کے معنی بہترین مال کے بھی تفسیر میں ذکر کئے گئے ہیں اور اسکی تائید میں خداوند عالم کا یہ قول ہے لن تنالوا البرّ الآیۃ اور ناصبی نے جو حدیث جناب رسالتمآبؐ کی پیش کی ہے یعنی خیر الصدقۃ ما یکون صفوا عفواً اس کی معارض دوسری حدیث موجود ہے جو ہمارے جواب کی موید ہے حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ خیر الصدقۃ ما القت غنی یعنی بہترین صدقہ وہ ہے کہ جس کی وجہ سے سائل کو استغنائے باقی حاصل ہو جائے۔ اور اگر بالفرض ہم اس توہم کو مان بھی لیں تو یہ کہیں گے کہ یہ اعتراض تو اس وقت ہو سکتا تھا کہ جب عیال امیر المومنینؑ متفق نہ ہوتے امیر المومنین علیہ السّلام کے ساتھ انفاق میں اور وہ اہل بیت کا کھانا لیکر سائل کو دیدیتے حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ اہلبیت نے خود ہی عطا فرمایا امیر المومنین تو اپنے عیال پر انفاق کر چکے تھے اب انھوں نے خود ہی اختیاراً اپنے نفوس مقدسہ پر یتیم و اسیر و مسکین کو مقدم فرمایا اور اپنی اپنی غذا عطا فرما دی تو کوئی جائے اعتراض نہیں ہے۔

کلام جناب علامہ حلّی علیہ الرحمۃ

انیسویں آیت والذی جاء بالصدق وصدق بہ ہے جمہور نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے مصداق علیؑ ہیں۔

انیسویں دلیل

قول ابن روزبہان

میں کہتا ہوں جمہور اہلسنت روایت کرتے ہیں کہ یہ روایت ابوبکر صدیق کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اگر یہ بات صحیح بھی مان لی جائے کہ علیؑ کی شان میں نازل ہوئی تو ان کے فضائل میں ہو گی لیکن نص پر دلالت نہیں کرتی۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمۃ

جس روایت کو مصنف نے ذکر کیا ہے اسی کو صاحب کشف الغمہ نے حافظ ابوبکر موسیٰ بن مردویہ سے نقل کیا ہے اور نیز حافظ نے ابوجعفر علیہ السلام سے بھی روایت کی ہے کہ ان الذی جاء بالصدق محمد صلعم والذی صدّق بہ علیؑ بن ابی طالبؑ۔ یعنی صدق کے لانیوالے رسالتماب صلعم ہیں اور اس کی تصدیق کرنیوالے علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔ لیکن یہ امر کہ یہ آیت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی جیسا کہ ناصبی نے دعویٰ کیا ہے تو اس کو سوا فخرالدین رازی کے اور کسی نے بھی ذکر نہیں کیا وہ اس امر میں متفرد ہیں اور وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ چونکہ اولیا ابوبکر ان کو صدیق لقب دے چکے تھے آپ نے صدق اور صدیق میں مناسبت لفظی کی وجہ سے یہ تخیل شاعری فرمائی اور یہ تو آپ کا اکثر روایات کی تفسیر میں طریقہ ہے جیسا کہ صاحبان بصیرت پر ظاہر ہے۔ شیخ رازی کی بیحیائیوں کے منجملہ یہ بھی ہے کہ اس آیت کی شان نزول کے بیان کرنے میں محض خداوند عالم ہی پر افترا نہیں کیا بلکہ امیرالمومنین علیہ السلام کی زبان سے اس کو نقل کیا ہے (کہ یہ آیت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی) اور یہ صرف اسلئے کہ دیکھنے والے جب یہ دیکھیں گے کہ خود امیرالمومنین ایسا فرماتے ہیں تو پھر اس آیت کا حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہونا تجویز نہ کرینگے۔ اس کے بعد چونکہ اس خائن پر خوف غالب تھا لہذا مجملاً

مفسرین کی طرف نسبت دیدی لیکن صاحبان فہم و ذکا پر حقیقت حال مخفی نہیں رہ سکتی
اور اس آیت کے ابوبکر کی شان میں نازل ہوئے پر اور رازی تک اس روایت کے
پہونچنے پر کہ یہ آیت امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے خود اس کی عبارت
دلالت کرتی ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ یہ شامل ہے اس شخص پر کہ جس نے سب سے پہلے
تصدیق میں سبقت کی ہو اور تمام علماء متفق ہیں کہ اسبق و افضل یا ابوبکر ہیں یا علیؑ لیکن لفظ
صدیق ابوبکر کے لئے اولیٰ ہے کیونکہ علیؑ وقت بعثت بہت صغیرالسن تھے مثل اس چھوٹے
بچے کے جو گھر میں ہو اور ظاہر ہے کہ ان کا اقدام تصدیق میں مفید نہیں ہو سکتا اور نہ
شوکت اسلام میں اس سے کچھ زیادتی ہو سکتی ہے لہذا اس لفظ کا ابوبکر پر حمل کرنا اولیٰ
ہے ختم ہوا کلام رازی۔ اب رہا یہ امر کہ یہ عبارت ہمارے مندرجہ بالا دعویٰ پر کیونکر دلالت
کرتی ہے تو اس کا بیان یہ ہے کہ اگر یہاں کوئی روایت شان ابوبکر میں واقعاً ہوتی تو
رازی کو زبردستی استدلال کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اور نہ امیرالمومنینؑ کے ذکر
کی ضرورت ہوتی حالانکہ اُس کا یہ استدلال بھی مثل دیگر تشکیکات کے ظاہرالبطلان ہے
اس لئے کہ درجۂ نبوت مرتبۂ اسلام سے اعلیٰ ہے اور جبکہ صغیرالسن بچہ کے لئے نبوت جائز
ہے تو اس کا ایمان بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا جیسا کہ خداوند عالم حضرت یحییٰ کی شان میں فرماتا
ہے کہ و اتیناہ الحکم صبیاً اور حضرت عیسیٰ کی زبانی ارشاد فرماتا ہے کہ انی عبداللہ
اتانی الکتاب وجعلنی نبیاً اور حضرت یوسفؑ کی شان میں جبکہ وہ طفولیت کی
حالت میں چاہ میں ڈالے گئے فرماتا ہے وا وحینا الیہ لتنبئنہم بامرھم ھذا وھم
لا یشعرون یعنی ہم نے یوسف کی طرف وحی کی کہ تم اپنے بھائیوں کو اس فعل سے آگاہ
کروگے جبکہ وہ بے شعور ہونگے اور فرماتا ہے کہ ففھمناھا سلیمان وکلا اتینا حکما
وعلما حالانکہ ان کی عمر جبکہ وہ نبی کئے گئے گیارہ برس کی تھی لہذا جب یہ جائز ہوا کہ ایک
بچہ صاحب نبوت و وحی ہو سکتا ہے تو صاحب ایمان بطریق اولیٰ ہو سکتا ہے علاوہ بریں

ہمارے علماء کے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ امیر المومنینؑ نے جس وقت رسالتمآب صلعم پر ایمان ظاہر فرمایا ہے تو اس وقت حضرت کی عمر پندرہ اور ایک روایت میں چودہ برس کی تھی اور یہ دونوں روایتیں اہلسنت کے طریق سے بھی ہم تک پہونچی ہیں چنانچہ شارح طوالع نے اپنی شرح میں اپنے اصحاب سے اسکو ذکر کیا ہے اور رضا قونوی نے مصابیح میں کہا ہے کہ حسن بصری نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ کی عمر جب کہ وہ اسلام لائے پندرہ برس کی تھی لیکن شارح طوالع نے چودہ برس کی روایت کی ہے اور اس عمر میں حضرت بنا بر روایت بخاری کے حد بلوغ سے تجاوز کر گئے تھے اسلئے کہ اس نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہا اس نے کہ میں بارھویں برس بالغ ہوگیا تھا۔ نیز علماء نے روایت کی ہے کہ رسالتمآب صلعم نے حضرت کو اسلام کی دعوت دی درانحالیکہ آنحضرت کسی ایسے شخص کو دعوت اسلام نہیں دیتے تھے کہ جس کا اسلام لانا صحیح نہ ہو جیساکہ مامون نے ابو العتاہیہ سے مناظرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ نیز روایت صحیحہ میں ہے کہ امیر المومنینؑ علیہ السّلام نے معاویہ کو چند اشعار تحریر فرمائے تھے منجملہ ان کے یہ شعر لکھا تھا

سبقتکم الی الاسلام طراً ۔۔۔ غلاماً مابلغت اوان حلمی

یعنی میں نے تم لوگوں پر اس وقت اسلام میں سبقت کی جبکہ میں حد بلوغ کو بھی نہ پہونچا تھا اس شعر پر معاویہ نے باوجود اس بغض و عداوت کے جو اس کو حضرت سے تھی کوئی اعتراض نہیں کیا تو رازی کہ جو معاویہ کی جماعت سے ہے اس پر کیسے زیادتی حاصل کرسکتا ہے۔ نیز مرجع اسلام تو یہ ہے کہ جو کچھ نبی لائیں اس کی تصدیق کی جائے اور اسکی کہ وہ رسول خدا ہیں اور یہ امر تکالیف شرعیہ میں سے ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ عقلیات کی تکلیف کمال عقل پر موقوف ہے چاہے شخص پانچ برس کا ہو یا پچاس برس کا ہو اور حضرت کی عقل وقت اسلام کامل ہوچکی تھی اور بلوغ تو وہ تکالیف شرعیہ فرعیہ میں شرط ہے علاوہ اسکے یہ بھی ممتنع نہیں ہے کہ حضرت کے خصائص[1] میں سے یہ امر ہو کہ آپ کا صغر سن

---

[1] جناب امیر المومنین علیہ السّلام کا مخصوص بخصائص کثیرہ ہونا کتاب الخصائص نسائی و کتاب الخصائص کھنزی اور عمدۃ القاری عینی سے ظاہر ہے۔ ۱۲ مترجم

میں اسلام لانا صحیح ہو بالجملہ یہ امر جائز ہے کہ آنحضرت کو مزید فضل کی وجہ سے جو ان کو خلقت میں حاصل تھا یہ اختصاص بھی حاصل ہو کہ حضرت کو بلوغ شرعی قبل ختم عدد سال حاصل ہو گیا ہو اور یہ حضرت کے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ مظہر العجائب ومنبع الغرائب ہیں۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

بیسویں آیت قول ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا هو الذی ایدك بنصره و بالمومنین ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ عرش پر لکھا ہوا ہے لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ محمد عبدی ورسولی ایدتہ بعلی بن ابی طالبؑ انتھی۔

قول ابن روزبہان

یہ امر روایات اہلسنت میں آیا ہے اور اس امر میں کوئی شک نہیں کہ علی افاضل مومنین اور ان کے ائمہ وخلفاء میں سے ہیں اور جبکہ رسالتمآبؐ مومنین سے موید ہیں تو علیؑ کے ساتھ بدرجہ اولیٰ موید ہونگے لیکن نص امامت پر دلالت نہیں کرتا۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

اس عبارت میں ناصبی نے جو کچھ فریب کاری کی ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے اسلئے کہ مصنف رح صرف تائید کو ذکر نہیں کرتے ہیں جس میں کہ سب مومنین شریک ہیں بلکہ حضرت کا نام نامی عرش پر مرقوم ہونا اس طرح کہ جو ظاہر کرتا ہے اس امر کو حضرت باری نے رسالتمآبؐ کی تائید علیؑ سے ازل میں فرمائی اور یہ امر دلالت کرتا ہے اس افضلیت پر کہ جو مصنف کے مدعیات میں سے ہے جیسا کہ کئی مرتبہ ذکر ہوا علاوہ بریں ناصبی کا

یہ اعتراف کہ امیر المومنینؑ جمیع مومنین سے اولیٰ ہیں تائید نبی کے ساتھ کافی ہے ثبوت مدعی میں۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

اکیسویں آیت قول ہے باری تعالیٰ کا یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین جمہور نے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول ابن روزبہان

ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمیع مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ محض علیؑ کی شان میں نازل ہوئی تو ان کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہوگی لیکن نص امامت پر دلالت نہیں کرتی۔

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

ناصبی کا یہ قول کہ ظاہر آیت جمیع مومنین پر دلالت کرتی ہے ممنوع ہے اسلئے کہ اگر حق سبحانہ وتعالیٰ نے جمیع مومنین مراد لئے ہوتے تو من اتبعک کی قید نہ لگاتا لیکن اس قید سے معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص کا ارادہ کیا گیا ہے۔ لیکن صحت حدیث کے لئے یہی امر کافی ہے کہ وہ طریق اہلسنت سے مروی ہے چنانچہ اس روایت کو صاحب کشف الغمہ نے عزالدین عبدالرزاق[1] محدث حنبلی کی کتاب سے نقل کیا ہے اب رہی وجہ دلالت تو وہ یوں ہے کہ جب خداوند عالم نے جناب رسالتمآبؐ کی حفاظت کا اپنی بارگاہ اور امیر المومنینؑ میں حصر کر دیا نیز اتباع

---

[1] اس عالم اہلسنت کا ترجمہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی و طبقات الحفاظ سیوطی میں مذکور ہے ۱۲ مترجم

کامل بھی! امیر المومنین میں حصر کر دیا (مقتضی الروایۃ) تو معلوم ہوا کہ علیؑ جمیع مومنین سے افضل ہیں لہذا وہ امیر المومنین ہوئے۔

کلام جناب علامہ حلی علیہ الرحمہ

بائیسویں آیت فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ ہے ثعلبی نے کہا ہے کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

قول ابن روزبہان

مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ یہ آیت اہل یمن کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی تو جناب رسالتمآبؐ سے دریافت کیا گیا کہ اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں تو حضرت نے اپنا دست مبارک سلمانؓ کی پشت پر مار کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم مراد ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت ایسی قوم کے بارہ میں نازل ہوئی کہ جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے اسلئے کہ سوف یاتی اللہ الخ دلالت کرتا ہے کہ عنقریب خدا ایسی قوم کو لائیگا اور علیؑ ان لوگوں میں سے تھے کہ جن کو خدا نے اول اسلام سے بھی پہلے خلق فرمایا تھا لہذا ان کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور اگر یہ تسلیم بھی کریں تو حضرت کے فضائل میں سے ہوگا لیکن نص مدعی پر دلالت نہیں کرتا

جواب جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل یمن کے بارے میں نازل ہوئی ہے مثل فخر الدین رازی و قاضی بیضاوی کے اونھوں نے اس روایت پر استناد کیا ہے جس میں یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسالتمآبؐ نے ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ فرما کر

ارشاد فرمایا کہ قوم سے مراد یہ لوگ ہیں لیکن اس روایت میں بحث ہے اس لئے کہ اگر اہل یمن سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو بلادِ یمن کی طرف منسوب ہوں اگرچہ وہ اشعریہ میں سے نہ ہوں مثل طائفہ ہمدان وغیرہ کے تو ان لوگوں نے سوا امیرالمومنینؑ اور کسی کی ہمراہی میں جہاد ہی نہیں کیا جیسا کہ کتب سیر و تواریخ سے ظاہر ہے اور اگر صرف اشعریہ مراد ہوں تو ان لوگوں نے ابوبکر کے زمانہ میں اہل ردّہ سے جنگ نہیں کی لیکن جس نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ختمی مرتبت نے فرمایا کہ سلمانؓ اور ان کے ساتھی مراد ہیں جیسا کہ کشاف و تفسیر بیضاوی میں ہے تو اس میں یہ بات ہے کہ سلمانؓ ابوبکر کے عہد میں اہل ردّہ کی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے نیز بنا بر تقدیر اس امر کے کہ سلمانؓ کے ہمراہیوں سے اہل فُرس مراد ہوں یہ ظاہر نہیں ہوا کہ انھوں نے اہل ردّہ سے ابوبکر کے زمانہ میں کوئی جنگ کی ہو لہذا اس آیت کا امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہونا متعین ہو گیا اور ظاہر ہوا کہ یہ آیت شان والاشان امیرالمومنینؑ میں نازل ہوئی جبکہ حضرت نے ناکثین و قاسطین و مارقین سے جنگ فرمائی اور حضرت سلمان علیہ الرحمۃ والرضوان اگرچہ ان تینوں گروہوں کے قتال کے زمانہ تک زندہ نہیں رہے اور نہ ان سے جہاد کیا لیکن ان کی قوم نے ضرور شرکت کی اور کسی جماعت کے اکثر افراد سے کسی فعل کا صادر ہونا اس کے لئے کافی ہے کہ اس فعل کو پوری جماعت کے ساتھ نسبت دی جا سکے خصوصاً جبکہ یہ امر روایت کیا گیا ہے کہ حضرت سلمانؓ نے مدائن میں سکونت اختیار کی اور بنی کندہ میں تزویج بھی کی جس سے کئی لڑکے پیدا ہوئے اور وہ سب امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حضرت کی بعض لڑائیوں میں شریک رہے تو گویا جناب رسالتمآبؐ نے اسی امر کا لحاظ کرتے ہوئے کہ اولاد کی خوش کرداری باپ کی پاک طینتی کی وجہ سے ہوتی ہے حضرت سلمانؓ کے بیٹوں کے افعال کو خود حضرت سلمانؓ کی طرف نسبت دیدی اور سلمانؓ کا صاحب اولاد

ہونا کلام ابن عربی سے بھی ثابت ہے چنانچہ وہ فتوحات مکیہ میں کہتے ہیں کہ جب
جناب رسالتمآب عبد خالص تھے اور خداوند نے ان کو اور ان کے اہلبیت کو طاہر و
مطہر قرار دیا تھا اور رجس کو ان سے دور فرما دیا تھا اور رجس ہر وہ چیز ہے کہ جو ان
کے شایان شان نہ ہو اس لئے کہ رجس کے معنی عرب کے یہاں قذارت کے ہیں جیسا کہ
فرا نے بیان کیا ہے اسی لئے تو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ انما یرید اللہ
لیذھب عنکم الرجس الآیہ پس ایسی حالت میں اون حضرت کی طرف کسی غیر مطہر
کی اضافت نہیں ہوسکتی اور ضرور ایسا ہی ہونا چاہیئے پس اون حضرات کی طرف اسی کو
اضافت ہوگی جو ان کے مشابہ ہو پس نہ حضرات اپنی طرف سوا ایسے شخص کے کہ
جو محکوم بطہارت و تقدیس ہو کسی کو نسبت نہ دینگے اسی لئے تو سلمان فارسیؓ کے
حق میں طہارت و حفظ الٰہی اور عصمت پر رسالتمآب کی یہ شہادت ہوئی کہ آنحضرت
صلعم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ السلمان منا اھل البیت اور خداوند
عالم ان حضرات کی تطہیر و ذہاب رجس پر شہادت دیچکا (لہذا سلمانؓ کی طہارت نفس
اور حفظ عن المعاصی مسلم ہوئی) اور جبکہ یہ امر مسلم ہوچکا کہ اہلبیت علیہم السّلام کی طرف
سوا مطہر و مقدس ہستی کے اور کوئی اضافت بھی نہیں حاصل کرسکتا اور جس کو اضافت
ہوگئی اوسکو صرف اضافت ہی کی وجہ سے عنایت الٰہیہ حاصل ہو جائے تو پھر اہلبیت
کی طرف تمہارا خیال کیا ہوگا بیشک وہ حضرات مطہر ہیں بلکہ عین طہارت ہیں۔ اس کے
بعد اسی باب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اہل بیت علیہم السّلام نص قرآنی سے
مطہر ہیں پس سلمانؑ بھی انھیں میں سے ہیں بلاشک و شبہہ اور میں امید کرتا ہوں
کہ علیؑ کی (وہ اولاد جو دیگر ازواج سے ہے) اور سلمان کی اولاد کو بھی یہ عنایت
الٰہیہ شامل ہو جیسا کہ اولاد حسنؑ و حسینؑ اور غلامان اہلبیت کو شامل ہے خداوند عالم
کی رحمت بہت وسیع ہے پھر بعض مطالب کے بعد لکھتے ہیں کہ تمہارا کیا گمان ہے ان

معصومین کے بارے میں کہ جو محفوظ ہیں بعض ان میں سے قائم ہیں اپنے سیادت کے حدود پر اور کھڑے ہیں ان کے مراسم پر ان کا شرف بہت بلند اور کامل ہے اور وہی اس مقام کے اقطاب ہیں۔ انھیں قطبوں سے سلمان رہ نے شرف مقام اہلبیت حاصل کیا چنانچہ حضرت سلمان رہ سب سے زیادہ اس امر کو جانتے تھے کہ خداوند عالم کے عباد پر کیا کیا حقوق ہیں اور خود اپنے خلائق کے اپنے اوپر کیا کیا حقوق ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ قوی تھے ان حقوق کے آداب پر۔ انھیں کے بارے میں جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا ہے کہ لو کان الایمان بالثریا لنالہ رجال من فارس یعنی اگر ایمان ستارہ ثریا میں بھی ہوتا تو اس کو اہل ایران میں سے بعض لوگ حاصل کر لیتے یہ فرما کر آنحضرت صلعم نے حضرت سلمان رہ کی طرف اشارہ فرمایا ختم ہوا کلام محی الدین عربی کا۔ اور بر لطائف سے یہ ہے کہ بنا بر روایت گذشتہ ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کر کے رسالتمآب نے فرمایا کہ ھم قوم ھذا (وہ لوگ اس کی قوم کے ہیں) کیونکہ آنحضرت صلعم نے خود ابو موسیٰ کو اس حکم میں داخل نہیں فرمایا اس لئے کہ آنحضرت صلعم جانتے تھے کہ اسکی عاقبت خراب ہوگی اور یہ امیرالمومنین ع سے منحرف ہو جائیگا لیکن ایک جماعت اکابر و اشراف اہل یمن کی اور بہت سے ایسے افراد اہل یمن کہ جس میں کا ایک ایک اس کے ایسے ہزار کے برابر شمار کیا جاتا ہے امیرالمومنین ع کے شیعوں میں تھے منجملہ ان کے پورا قبیلہ بنی ہمدان کا ہے اور اویس قرنی ہیں جو امیرالمومنین ع کے سامنے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ اور سلمان رہ کے بارے میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ (ھذا و ذووہ) یہ اور اس کے ساتھی پس قوم سلمان رہ کو ان کا تابع قرار دیا اس حکم میں اور ان کی قوم کو لفظ (ذووہ) سے تعبیر فرمایا جس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص ان صفات سے متصف ہو کہ جن سے حضرت سلمان رہ متصف ہیں از قبیل معرفت ولایت اور ان لوگوں کی متابعت کہ جن کی متابعت خداوند عالم نے

فرض قرار دی ہے وہ اس کے ساتھیوں میں سے ہے اور اس حکم میں داخل ہے ورنہ نہیں۔ اور فخر الدین رازی نے بھی اس قول کو ذکر کیا ہے کہ یہ آیت امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے لیکن چونکہ وہ جماعت امامیہ پر اپنے تعصب کی وجہ سے بہت گرم جوش ہیں لہذا ہم کو بھی یہ مناسب معلوم ہوا کہ ان کا کلام ذکر کریں اور ساتھ ہی اسکے جو کچھ ایرادات اس پر وارد ہوتے ہیں ان کو بھی بیان کر دیں تاکہ ناظرین شکوک و اوہام سے محفوظ رہیں چنانچہ رازی کہتا ہے کہ ایک قوم نے کہا ہے کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس پر دو وجہیں دلالت کرتی ہیں اول یہ کہ جب جنگ خیبر میں جناب رسالتمآب صلعم نے نشان سرداری فوج حضرت امیرالمومنینؑ کو مرحمت فرمایا تو ارشاد کیا تھا کہ میں اب ایسے شخص کو نشان دونگا کہ جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اس کو دوست رکھتے ہیں اور یہی صفت آیت میں بھی مذکور ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے اسی آیت کے بعد آیۂ انما ولیکم اللہ و رسولہ الآیہ ذکر فرمائی ہے جو کہ امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے لہذا پہلی آیت کو بھی آنحضرت ہی کی شان میں ہونا اولی ہے بس یہی وہ کل اقوال ہیں جو اس آیت میں ہیں اور ہمارے لئے اس میں چند مقام ہیں پہلا مقام یہ ہے کہ یہ آیت مذہب امامیہ کے فاسد ہونے پر پہلی دلیل ہے اس لئے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ جن لوگوں نے خلافت و امامت ابوبکر کا اقرار کیا وہ سب کافر و مرتد ہو گئے کیونکہ انھوں نے امیرالمومنینؑ کی امامت پر جو نص جلی موجود ہے اس سے انکار کیا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا تھا تو خداوند عالم کو چاہئے تھا کہ وہ ایسی قوم کو ان پر مسلّط فرماتا جو ان کو لڑ بھڑ کر دین حق کی طرف واپس کرتے کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے کہ ومن یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم الآیہ اس آیت میں لفظ من شرطا عموم کے لئے ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ جو کوئی بھی

دین اسلام سے مرتد ہو اس پر ایک ایسی قوم کو مسلط کرے جو اس پر غلبہ حاصل کر کے اس کی شوکت کو توڑ دے پس اگر جن لوگوں نے ابو بکر کو خلیفہ قرار دیا تھا ایسے تھے تو بحسب حکم آیت مذکورہ لازم تھا کہ خدا کسی قوم کو ان پر مسلط فرماتا کہ وہ ان کے مذہب کو باطل کر دیتی۔ اور جبکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ اس کے خلاف ہے کہ رافضی ہی مغلوب ہیں اور روکے گئے ہیں اس امر سے کہ اپنے باطل کلاموں کو ظاہر کریں جبھی تو معلوم ہو کہ انکا مذہب اور اقوال سب باطل ہیں اور یہ امر ہر منصف مزاج پر ظاہر ہے۔ دوسرا مقام یہ کہ ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کہنا واجب ہے کہ یہ آیت ابو بکر کی شان میں نازل ہوئی اور اس پر دو دلیلیں ہیں اول یہ کہ یہ آیت خاص محاربہ مرتدین کے بارے میں ہے اور ابو بکر ہی وہ شخص ہیں کہ جنھوں نے مرتدین سے محاربہ کی سربراہی کی جیسا کہ ہم تشریح کر چکے ہیں اور رسالتمآب صلعم کو اس سے مراد لینا ممکن نہیں کیونکہ ان حضرت کو مرتدین سے جنگ کرنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا اور نیز خدا فرماتا ہے کہ ہم عنقریب ایسی قوم کو لائیں گے کہ جو استقبال کے لئے ہے نہ حال کے لئے لہذا لازم ہوا کہ یہ قوم اس آیت کے نازل ہونے کے وقت موجود نہ ہو اگر یہ کہا جائے کہ یہی ایراد تم پر بھی ہوتا ہے اسلئے کہ ابو بکر بھی تو وقت نزول آیت موجود تھے تو ہم اس کا جواب دو طرح سے دیں گے اول یہ کہ جن اہل ردّہ سے ابو بکر نے جنگ کی وہ فی الحال موجود نہ تھے دوسرے یہ کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ خدا عنقریب ایسی قوم کو لائیگا جو قادر ہو گی اس جنگ پر اور ابو بکر اگرچہ موجود تھے مگر وہ اوس وقت جنگ وغیرہ اور امر و نہی میں مستقل نہ تھے لہذا یہ اعتراض برطرف ہوا اور ثابت ہو گیا کہ اس آیت سے نہ تو رسالتمآب صلعم مراد ہو سکتے ہیں نہ علیؑ اسلئے کہ ان کو بھی اس کا اتفاق نہیں ہوا کہ وہ اہل ردہ سے جنگ کرتے اور اگر تم یہ کہو کہ ہم اس کو نہیں مانتے اس لئے کہ ہر وہ شخص کہ جس نے آنحضرت سے امامت کے بارے میں نزاع کی وہ مرتد تھا تو ہم اسکو دو وجہ سے باطل کہیں گے

اول یہ کہ مرتد اس کو کہتے ہیں کہ جو شرائع اسلام میں سے کسی چیز کا تارک ہو اور جن لوگوں نے امیر المومنینؑ سے نزاع کی وہ بظاہر ایسے نہ تھے اور نہ کوئی یہ کہتا تھا کہ حضرت ان سے اس لئے لڑتے ہیں کہ وہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں اور خود علیؑ نے ان لوگوں کو مرتد کے نام سے یاد کیا لہذا جو کچھ یہ روافض کہتے ہیں وہ تمام مسلمین اور خود علیؑ پر بہتان کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر وہ شخص جس نے علیؑ سے امامت میں نزاع کی ہو مرتد ہوا تو لازم آتا ہے کہ ابوبکر اور ان کی قوم بھی مرتد ہو اور اگر ایسا ہوتا تو بمنشا ظاہر آیت لازم تھا کہ خدا ایک قوم کے ذریعے سے ان کو مغلوب کر کے دین صحیح کی طرف واپس کرتا اور جبکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ علیؑ سے امامت میں نزاع کرنا ارتداد نہیں ہے اور جب وہ لوگ مرتد نہ ہوئے تو یہ آیت علیؑ کی شان میں نہیں کہی جا سکتی اس لئے کہ یہ تو اس کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ جو مرتد لوگوں سے جنگ کرے نیز یہ بھی کہنا ممکن نہیں کہ یہ اہل یمن کی شان میں نازل ہوئی یا اہل فارس کی شان میں۔ اس لئے کہ ان لوگوں کو اہل ردہ سے جنگ کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور اگر بفرض یہ بھی کہا جائے کہ ان لوگوں کو اہل ردہ سے جنگ کا اتفاق ہوا تو وہ رعایا اور پیرو تھے اور سردار و حاکم اس واقعہ میں ابوبکر تھے اور ظاہر ہے کہ آیت کا ایسے شخص پر حمل کرنا کہ جو رئیس و حاکم اور اصل ہو اس عبارت میں اولیٰ ہے بہ نسبت اسکے کہ رعایا اور پیروؤں پر حمل کی جائے پس ہماری بیان کی ہوئی دلیل سے ظاہر ہو گیا کہ یہ آیت ابوبکر کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری وجہ اس امر کے بیان میں ہے کہ یہ آیت ابوبکر کے لئے مخصوص ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم مانتے لیتے ہیں کہ علیؑ نے مرتدوں سے جنگ کی لیکن ابوبکر نے جو مرتدوں سے جنگ کی وہ بہتر اور بلند پایہ ہے اسلام میں بہ نسبت اس جنگ کے جو علیؑ نے اپنی امامت میں مخالفت کرنے والوں سے کی اس لئے کہ بتواتر معلوم ہے کہ جب جناب رسالتمآب صلعم نے انتقال فرمایا تو تمام عربوں میں اضطراب و انتشار پیدا ہوا اور وہ سرکشی کرنے لگے تو ابوبکر نے

ہی ان کو مغلوب کیا اور مسیلمہ او رطلیحہ کو بھی اور انھوں نے ہی ان ساتوں قبیلوں سے جنگ کی کہ جو مرتد ہو گئے تھے اور انھوں نے ہی ان لوگوں سے بھی جنگ کی کہ جنھوں نے زکوٰۃ دینا بند کر دی تھی اور ان کے اسی فعل سے اسلام مستقر ہوا اور اس کی شوکت و عظمت و دولت میں وسعت ہوئی۔ اور جب علیؑ کو خلافت ملی تو شرق و غرب عالم میں اسلام پھیلا ہوا تھا تمام دنیا کے سلاطین مغلوب تھے اور اسلام تمام مذاہب عالم پر مستولی ہو چکا تھا پس ثابت ہوا کہ ابوبکر کی جنگ علیؑ کی جنگ سے زیادہ مفید تھی حمایت و تقویت اسلام کے لئے اور ظاہر ہے کہ اس آیت سے مقصود اس قوم کی تعظیم ہے کہ جو نصرت و تقویت اسلام میں وسعت دین اور جب ابوبکر کے ہاتھوں یہ امر انجام پایا تو وہی اس سے مقصود بھی ہو سکتے ہیں۔ تیسرا مقام اس آیت میں یہ ہے کہ جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ یہ آیت ابوبکر کے لئے مخصوص ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے اس آیت سے جن لوگوں کو مراد لیا ہے ان کے لئے چند صفات ذکر فرمائے ہیں پہلی صفت یہ ہے کہ خدا ان کو دوست رکھتا اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔ تو جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ مراد اس آیت سے ابوبکر ہیں تو یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ صفت بھی ابوبکر کی ہے اور جس کی توصیف خدا نے اس طرح کی ہو اس کا ظالم ہونا ممنوع ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر اپنی امامت میں محق تھے دوسری صفت یہ ہے کہ وہ مومنین کے ساتھ نرمی کرتے ہیں اور کافرین پر سختی کرتے ہیں تو یہ بھی ابوبکر کی صفت ہوئی اس امر کی تاکید اس خبر مستفیض سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ روایت کیا گیا ہے کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا کہ ارحم امتی بامتی ابابکر (میری امت میں سب سے زیادہ میری امت پر رحم کرنے والا ابوبکر ہے) تو ابوبکر میں یہ صفت پائی جاتی تھی کہ وہ مومنین پر رحمت و شفقت کرتے تھے اور کفار کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے تھے کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ ابتداء میں جب رسول مکہ میں تھے اور نہایت کمزور تھے تو ابوبکر کیونکر ان کی حمایت کرتے تھے

ہر وقت ساتھ رہتے تھے خدمت کرتے تھے اور کسی ایک کی بھی بڑے بڑے کفار میں سے پرواہ نہیں کرتے تھے اور آخر میں یعنی اپنی خلافت کے وقت میں بھی کسی کی بات نہ سنی اور اسی پر مصر رہے کہ مانعین زکوۃ سے محاربہ ضروری ہے یہاں تک کہ نوبت یہ پہونچی کہ تن تنہا اس مہم کے لئے نکل کھڑے ہوئے آخر میں بڑے بڑے صحابیوں نے آکر بڑی خوشامد و منت سے روکا۔ جب مرتدین کو یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ نے لشکر بھیجا ہے تو بھاگ گئے اور خدا نے یہی دولت اسلام کی ابتداء قرار دی۔ لہذا خدا کا قول اذلۃ علی المومنین واعزۃ علی الکافرین سوائے ان کے اور کسی کے لائق نہیں تیسری صفت یہ ہے کہ یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم یعنی وہ لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے نہیں ہیں یہ صفت ابوبکر اور علی میں مشترک ہے لیکن ابوبکر کا حصہ اس میں بھی اتم و اکمل ہے اس لئے کہ ان کا مجاہدہ کفار سے اول بعثت میں تھا جبکہ اسلام بہت ضعیف تھا تو وہ اپنی قدرت بھر لڑتے تھے اور رسول کی حمایت کرتے تھے۔ لیکن علی نے جہاد بدر و احد کے وقت سے شروع کیا جبکہ اسلام قوی ہو چکا تھا اور لشکر جمع ہو چکے تھے پس ابوبکر کا جہاد علی کے جہاد سے زیادہ اکمل تھا دو وجہوں سے ایک تو یہ کہ ابوبکر کو تقدم زمانی حاصل تھا لہذا افضل تھے کیونکہ خدا فرمایا ہے لا یستوی منکم من انفق قبل الفتح وقاتل یعنی تم سے وہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے جنھوں نے قبل فتح صرف کیا اور قتال کیا۔ دوسری یہ کہ ابوبکر کا جہاد رسول کے ضعف کے وقت تھا اور علی کا قوت کے وقت۔ چوتھی صفت ہے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یہ بھی ابوبکر کے لائق ہے اس لئے کہ خدا نے دوسرے مقام پر بھی اس کی تاکید اپنے اس قول سے فرمائی ہے کہ ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس آیت کا ابوبکر کی شان میں ہونا منوی ہے

اور اس امر کی دلیل کہ یہ صفات سب ابوبکر کے ہیں یہ ہے کہ ہم نے دلیل سے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ یہ آیت ان کی شان میں ہے اور جب ایسا ہے تو یہ کل صفات بھی انھیں کے ہوئے اور جب یہ ثابت ہوگیا تو ان کی امامت کا صحیح ماننا واجب ہوگیا اس لئے کہ اگر اون کی امامت باطل ہوتی تو یہ صفات اون کے لائق نہ ہوتے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ابوبکر حیات رسول میں ان صفات سے متصف تھے لیکن جب سے رسول کی وفات ہوئی اور اُن کی امامت شروع ہوئی تو یہ صفات اُن کے برطرف اور باطل ہو گئے تو ہم کہیں گے کہ یہ قطعاً باطل ہے اس لئے کہ خدا فرماتا ہے کہ ہم عنقریب ایسی قوم کو لائیں گے کہ جن کو خدا دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں تو خدا نے ثابت کیا کہ جب خدا اون کو لائے گا تو وہ اس صفت سے متصف ہوں گے زمانہ مستقبل میں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا شہادت دیتا ہے اس امر کی کہ ابوبکر اس صفت سے موصوف تھے جب انھوں نے اہل ردّہ سے جنگ کی اور یہ وقت ان کی امامت کا تھا ہمارے اس بیان سے ثابت ہوگیا کہ یہ آیت ابوبکر کی امامت کی صحت پر دلالت کرتی ہے لیکن روافض کا یہ کہنا کہ یہ آیت حق علیؑ میں نازل ہوئی ہے اس دلیل سے کہ رسالتمآب صلعم نے روز خیبر یہ فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دونگا کہ جو خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اسکو دوست رکھتے ہیں اور وہ علیؑ تھے تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ خبر آحاد میں سے ہے اور ان کے نزدیک خبر احاد سے علم میں تمسک نہیں جائز ہے چہ جائیکہ عمل میں و نیز اس صفت کو علیؑ میں ثابت کر دینے سے یہ نہیں لازم آتا کہ ابوبکر میں نہ ہو اور بفرض اگر مان لیں کہ ایسا ہے تو لازم یہ آئے گا کہ وہ تمام اوصاف جو کہ حدیث خیبر میں ہیں سب کے سب من حیث المجموع ابوبکر میں نہ ہوں جن کے منجملہ ایک صفت کرار غیر فرار بھی ہے اور جب یہ صفت ابوبکر میں نہ ہی تو پھر مجموع صفات حاصل نہوے بلکہ بعض ہوئے و نیز خدا نے اس صفت کو اس شخص کے لئے کہ جس کا ذکر آیت میں